محبت

کنگن بیلے کا

ثمینہ سید

ترتیب

ردائے محبت

ردائے محبت مجھ کو لپیٹ ڈالے
میرے سارے وجود کو مسحور کر دے
ہوا بھی نہ لگنے دے زمانے کی مجھے
بس اک قفس بن جائے
جس میں قید ہوں میں
اور
صیاد میرا مجھ کو دیکھتا رہے دن رات
اسے ڈر ہو میرے اڑ جانے کا
اور مجھے کبھی کہیں اڑنا ہی نہ ہو

وہ لکھ کر مڑی اور آنچل لہراتی جھومتی چلی گئی، ہائے جس کو مل جائے ردائے محبت، بھلا اسے کیا ضرورت ہے اڑنے کی' زمانے کی' لوگوں کی' نہ نہ بالکل ضرورت ہی نہ رہے گی پھر تو کسی بھی چیز کی مگر محبت ہو ایسی پوری اور ساحر محبت جو بندے کو اندر باہر سے حصار میں لے کر رکھے ہوش ہی نہ آنے دے وہ خود ہی خود بڑبڑائے جا رہی تھی یہ اس کی عادت تھی خود کلامیوں میں سپنے بننا چنچل سی سوچیں اور میٹھے سے لفظوں کی بنت سے شاعری کرتے رہنا پھر بہت سارے میگزینز اور ڈائجسٹوں کے ایڈریس لفافوں پہ لکھنا اور اپنی تخلیقات پوسٹ کر دینا خوشی قسمت کہ ہر جگہ پہ جو بھیجتی سب چھپ جاتا اور وہ کالج میں سب کو اترا اترا کر دکھاتی پھرتی یہ دیکھو یہ میں ہوں دیبہ جمال۔ جسے کوئی غیر معیاری کہہ ہی نہیں سکتا پھر کھلکھلا کر ہنستی تو جیسے جلترنگ بج اٹھتے اسے لگتا لفظ' جذبے' خواہشیں اور سپنے تیزی سے اس کے اندر سمو پاتی ہیں، اگتی ہی چلی جاتی ہیں، پھر لفظوں میں ڈھل جاتیں وہ تیزی سے قلم کے سپرد کر دیتی تو جیسے سارا بوجھ اتر جاتا بہت سی کتابیں پڑھتی ناول' افسانے' شاعری' کبھی کبھی تو صوفیانہ کلام کا بھی دورہ پڑ جاتا۔ بلھے شاہ' وارث شاہ' بابا فرید کو پڑھتی تو دونوں اپنے اندر سکون اترتا محسوس کرتی چلتی پھرتی زیر لب گنگناتی پھرتی فطرت میں عجب اضطراب تھا یوں جیسے پیاس ہو اور وہ ہزار حیلے کرتی اسے مٹانے کے۔ شاید اس کی وجہ بچپن سے ملی تنہائی بھی تھی وہ اکلوتی لاڈلی گھر میں بولائی بولائی پھرتی امی ابا بہت لاڈ کرتے لے کر گھومتے پھرتے' ٹی وی دیکھتی' پتنگ اڑاتی اور کبھی کبھی تو سائیکل پہ بیٹھتی اور نجانے کتنے محلے گھوم آتی ماں تو رونے پیٹنے لگ جاتیں اسے ساتھ لگا کر چوم ہی ڈالتیں اگر گم ہو جاتی تو میرے جگر کا ٹکڑا' میری جان ماں کانپتی آواز میں بولتی اور وہ ہنسے جاتی کچھ نہیں ہوتا ماں کسی کی جرات نہیں تیری شیرنی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ ایک پازیٹو چینج آیا تھا کہ اسے سٹڈی کا چسکا لگ گیا تو وہ گھنٹوں کمرے میں بند کتابوں کی عرق ریزی کرتی چلی جاتی سارا نالج اس کے ذہن کے الگ الگ خانوں میں بس جاتا امی لگتی تو سب اسے جینیس کہتے مگر وہ سوچتی مجھ میں غیر معمولی تو کچھ بھی نہیں بس ایک دل ہے جو سب کرنے پر مجبور کرتا رہتا ہے اس کی دوستیں بھی اسے دلی طور پر ذہین کہتیں تو وہ مسکرا دیتی ماسٹرز کے پیپر دے رہی تھی جب گھر میں رشتوں کی لائنیں لگنے لگیں امی ابا بہت خوش تھیں اور وہ تو رہتی ہی خوش تھی کسی دن لہر میں کہہ دیا ٹھیک ہے امی جو اچھا لگے ہاں کر دو مجھے کونسی جاب کرنی ہے۔

اس کی آنکھیں بولتی ہوں
سب ان کہے فسانے سنا جاتی ہوں
اس کے لہجے میں روشنی ہو
اپنا پن ہو جذبوں کی دلکشی ہو
وہ مجھ کو دیکھے مجھے ہی سوچے
جہاں کہیں زمانے بھر میں جائے
خود کو میرے ہی ظلم محبت میں جکڑا پائے
وہ خود تو کوئی خطا کبھی کرے ہی ناں
میری خطاؤں کو یوں معاف کرے کہ جیسے

کوئی بات بڑی بات نہ ہو

بس ایسی ہی چند باتیں ہوں اس میں

وہ جو میرے ساتھ چلے میرا ہم سفر ہو

وہ آنکھیں موندے بولتی جا رہی تھی اور مسکراہٹ لبوں پہ پھیل سی گئی اس نے تصور سے کہ جانے کیسا ہو وہ؟ اور زندگی کس قدر خوبصورت ہو جائے گی؟ اسے اچھی طرح سے یاد تھا بچپن میں کوئی اس سے پوچھتا "تم بڑی ہو کر کیا ہو گی؟" تو وہ اٹھ کر کہتی "دلہن" "اوہ گاڈ" آئی ایم سو اسٹوپڈ" وہ شرمیلی سی ہنسی ہنس دی اپنی ہی بات یاد کر کے۔

میرے آنکھوں میں کانچ جیسے سپنے سجے ہیں

مجھ کو دھیرے سے چھونا

دھیرے دھیرے میرے سپنوں میں رنگ بھرنا

رنگ دھنک کے ہوں' چاندنی کے ہوں' زندگی کے ہوں

وہ دلہن بنی بیٹھی مسکرا رہی تھی کمرے کے سکوت میں اس کی آواز کا ہلکا سا ارتعاش تھا تبھی ذرا سا دروازہ کھلا تو وہ سمٹ گئی آنکھیں بھی بند ہوتی چلی گئیں قدم اس کی طرف بڑھ رہے تھے اور وہ سمٹتی جا رہی تھی وہ پاس آ بیٹھا۔

"چشم بد دور آپ تو بہت ہی خوبصورت ہو آج کل تو ویسے بھی شوشا کا زمانہ ہے۔ بیوٹی پارلر کی تیاری اور زیورات کی بھرمار تو حسن کی چکا چوند بڑھا دیتے ہیں۔

ودیعہ کا دل یکبارگی دھڑکا اور پھر سناٹے میں چلا گیا۔

"یہ سیٹ ابا سنگاپور سے لائے تھے پورے سات تولے میں بنا اور پتہ ہے تمہیں کتنے میں بنا؟" وہ رکا مگر ودیعہ کے اندر سناٹا چوکڑی لگا کے بیٹھ گیا اس نے کسی آخری امید پہ آنکھیں کھولیں سانولا سا عام سا شخص بے تاثر آنکھیں عام سا لہجہ' عام سی باتیں' زندگی تو زانو پہ سر رکھے رونے لگ گئی' بین ڈالنے لگ گئی مگر ودیعہ آنکھیں کھولے بیٹھی رہی۔

"واہ جی تمہاری آنکھیں تو بہت خوبصورت ہیں اگر تم سبز رنگ کے لینز لگاؤ تو تمہاری دو دھیا رنگت اور لو دینے لگے گی۔

آواز سنائی دے رہی تھی مگر بت میں جان نہ ڈال سکی۔

"ہمارے گھر میں دولت کی ریل پیل ہے کسی چیز کی کمی نہیں دیکھنا وقت کے ساتھ ساتھ تمہاری تو کایا پلٹ ہو جائے گی ناز کرو گی تم اپنے مقدر پہ وہ ایک پل کو رکا اور پھر بڑے غرور سے بولا یہاں سب ملے گا اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ودیعہ نے حسرت سے در و دیوار کو دیکھا کیا محبت بھی۔۔۔؟ وہ عادتاً بڑبڑانا چاہتی تھی مگر یہ کیا زبان تو مہر بلب ہو گئی۔

پھر زندگی تو عجیب تماشا ہی بن گئی صبح و شام اسے سجایا جاتا بھاری ملبوسات اور چمکتے دمکتے زیورات کے نیچے کہیں بہت نیچے ودیعہ جمال کا نازک دل دب کر رہ گیا۔

سپنے آنکھوں کی دیوار سے چپکے

چپ چاپ سے ہیں سہمے سہمے

ودیعہ جمال نے آج ایک سال بعد قلم اٹھایا ہی لکھا تو وہ چلا آیا اس کے آگے سے پیپر اٹھا لیا پڑھا اور پٹخ دیا۔

"اب یہ سب نہیں چلے گا شادی شدہ عورتوں کو یہ بچپن زیب نہیں دیتے تمہاری داستانیں اخباروں ' رسالوں میں چھپنے سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہو گی' ......یہ تو بس شاعری ہے میری عادت ہے اس میں برائی کیا ہے؟" ودیعہ نے کمزور سا احتجاج کیا تو وہ جیسے بھڑک اٹھا۔

"محبتوں کے قصے' خوابوں' خیالوں کی باتیں تمہاری عادت ہیں' واہ واہ جی وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں کہ میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکا اس لئے تم بچاری پانچ پانچ سو' ہزار ہزار میں سپنے بیچتی پھرتی ہو"۔ ودیعہ کی آنکھیں حیرت کی انتہا سے پھٹنے کو تھیں اور پھر نجانے کیسے وہ اس کے قریب چلی آئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی" راحیل احمد میں خوش نہیں ہوں مجھے تمہاری شکل' تمہاری آواز' تمہارے انداز تمہاری سوچ حتیٰ کہ تمہارے وجود سے بھی نفرت ہے اور بھلا کوئی نفرت کے ساتھ کب تک جی سکتا ہے؟۔ ودیعہ نے ایک پل کو سانس آزاد چھوڑی اور راحیل احمد کی سانسیں سینے میں اٹکنے لگیں

"مجھے طلاق دے دو۔" وہ خشک لہجے میں بولی

"تمہیں یہاں کس چیز کی کمی ہے" وہ پوری قوت سے چلایا تو وہ رو دی۔

"محبت کی۔۔۔۔" گہری خاموشی نے کمرے میں ڈیرے جمالئے وہ دیر تک دونوں کے درمیان رقص کرتی رہی وہ سر جھکائے بال کھولے بیٹھی رہی راحیل احمد پوری نفرت سے اسے تکتا رہا۔

"میں جانتا ہوں تم کسی اور کو پسند کرتی ہو تبھی تو اپنے آپ کو یہاں سیٹ نہیں کر پائی اور آج اپنی اوقات دکھا دی۔"

"مجھے طلاق دو" وہ پوری سنجیدگی سے بولی آنسو روانی سے گالوں پہ پھسل رہے تھے پھر کچھ پل سکوت رہا جان لیوا سکوت "میں راحیل احمد ولد احمد رضا خان اپنے پورے ہوش و حواس میں ودیعہ جمال تمہیں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں"۔

ودیعہ کے سارے وجود سے گویا کوئی بوجھ اتر گیا بھاری ملبوسات اور زیورات کا بوجھ بیگم صاحب ہونے کا بوجھ' بناوٹ اور شوشا کا بوجھ سب اتر گیا اعصاب ریلیکس ہو گئے۔ مگر اک الزام کا بوجھ تھا۔

"تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟" راحیل احمد کی آواز نے اس کا پیچھا کیا اور کرتی ہی رہی وہ انتہائی شکستگی سے ہنس دی کوئی بھی نہیں ہے۔ جو نگاہ کے خار چنتا اور خواب میری آنکھوں میں موتیوں سے بنتا کوئی بھی نہیں ہے"

وہ آج پورے ایک سال بعد پھر بڑبڑاتی ہوئی چل رہی تھی ماحول میں عجب سوگواریت تھی مگر آج بہت عرصہ بعد ہوا نے اس کے وجود میں سرد لہر دوڑائی تو اس نے اپنے گرد چادر لپیٹ لی۔

"اے سی کی ٹھنڈک اور ریشم و کمخواب نے تو موسموں کو نا آشنا کر دیا تھا وہ درد سے مسکرائی اور اس کے گھر آتے ہی گویا قیامت آ گئی وہ ہنستی چلی گئی اور امی ابا زار و قطار روتے رہے۔ بیٹی کا درد زمانے کا خوف ایک دم ان کے بوڑھے وجود کے گرد جالے بننے لگا وہ گھرا کر بولے اب کیا بنے گا؟

مگر اس کا جواب کمرے میں موجود تینوں نفوس کے پاس نہیں تھا تین آنسو تھے جو ماں باپ کو دھو کر پرانا کرنے میں مدد کر رہے تھے۔

ودیعہ نے اپنے نازک وجود کو ہر انگوٹھی، چھلے، کوکے، کانٹے سے آزاد کر دیا اپنے کمرے میں پڑی ڈھیروں کتابوں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کر کر کے شیلفوں میں جوڑا اور پھر ایک ایک کتاب کو دوبارہ پڑھ ڈالا اب کی بار ہر تحریر میں درد جانے کہاں سے آیا تھا پہلے تو میں اس درد سے بالکل ہی نا آشنا تھی ذات کے بے مول ہونے کا درد سپنوں کے راکھ ہونے کا درد اندر کا درد ہی ہمیں ہر چیز ہر تحریر میں درد محسوس کرواتا ہے" وہ کشن سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی درد کا تو کوئی انت ہی نہیں یہی تو ہے وہ مستقل مہمان جو وجود میں پنجے گاڑے تو نکلتا ہی نہیں"۔

"ابا میں ایم فل میں ایڈمیشن لے لوں" ودیعہ آج مہینوں بعد زندگی کی طرف جانے والے راستوں پر اجازت لینے آئی تو امی ابا خوشی سے نہال ہو گئے۔

"ہاں بچہ ضرور لو ایڈمیشن ضرور" ابا نے بازو پھیلا کر اس کی جگہ بنائی تو وہ فوراً ساتھ چپک کر بیٹھ گئی۔

"مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا زندگی اکیلے نہیں گزرتی ہم دونوں کب تک تیرا ساتھ دیں گے کل کلاں کو گزر گئے تو کیسے رہ پائے گی اکیلی مرد عورت کے لئے مضبوط سائبان ہوتا ہے میری بچی" ابا اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر بولے تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

زندگی پھر چلنے لگی ذرا سی آسودگی بھی ماحول میں اترنے لگی خاندان والے محلے والے بہت باتیں کرتے اسے طرح طرح کے مشورے دیتے پہلی شادی کی ناکامی کی وجہ پوچھتے تو وہ دھیرے دھیرے سب سے کٹتی چلی گئی لوگوں نے دوبارہ شادی کا مشورہ بھی دیا رشتے بھی آئے مگر وہ خوبصورتی سے ٹال دیتی اور جب وہ پی ایچ ڈی کے امتحان سے فارغ ہوئی تو امی نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ودیعہ بس کر بیٹا شادی کر لے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں میرا بچہ شاید دکھ کے بعد سکھ بھی ہوں تو قسمت کے دروازے بند تو نہ کر"۔

"او میری پیاری ماں اور اگر سکھ نہ ہوئے تو تو...... مجھ میں تجربوں کی ہمت نہیں ہے بالکل" پلکوں کے گوشے نم ہوئے مگر امی نے بھی آج ہمت نہ ہارنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا" ودی اللہ پر بھروسہ رکھ میری جان مایوسی تو کفر ہے بالکل"

"مگر امی...... تو بس مان جا پروفیسر کا رشتہ آیا ہے بہت ہی معزز گھرانہ ہے ماں باپ امریکہ میں رہتے ہیں وہ اکیلا ہے بالکل شاندار گھر اور سب سے بڑھ کر اتنا زیادہ پڑھا لکھا ہے مزاج بھی تجھ سے ملے گا انشاء اللہ وہ بولے جا رہی تھیں ودیعہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور پھر ماں کی طرف دیکھ کے بولی۔

"اچھا امی جیسے مرضی کرو" وہ خوشی سے بے حال اسے چومنے لگیں اور پھر ابا کو یہ خوشخبری سنانے چل پڑیں۔

اب کی بار آنکھوں میں سپنے ہیں نہ خواہشیں
بس زندگی کو برتنے گزارنے کا سوچا ہے
وہ ایسا ہو کہ ویسا ہو کچھ بھی طے شدہ نہیں

"ہاں اگر سپنے خواہشیں اور رنگ دھنک کے ہیں ہمارے حصے میں تو بڑھ کر ہم سمیٹیں گے" وہ بڑبڑائی ہوئی نجانے کتنی دیر بعد مسکرائی اور پھر آسمان کی طرف دیکھ کر سب اللہ پر چھوڑ کر اٹھ گئی آئی۔ وجدان حیدر اس کے پاس آ بیٹھا تو اس نے آنکھیں اٹھا کے دیکھا" واؤ کیا خوبصورت شخص ہے" دل نے فوراً سراپا صدا کا حسن پرست جو تھا سرخ مخملی ڈبیہ سے کنگن نکال کر اس کی طرف بڑھائے" پہنانے نہیں آتے" پلیز" وہ مسکرائی تو دل خوش امید ہونے لگا اس نے پکڑ کر پہن لئے۔

"ممی پپا امریکہ میں رہتے ہیں یہاں بہت کم آتے ہیں کچھ دنوں میں چلے جائیں گے تو اس پورے گھر میں، میں...... اور اب آپ سب آپ کا ہے گھر بھی پیار بھی مگر بھی" "اور تمہاری۔۔۔؟" دل بے اختیار چیخا مگر ودیعہ نے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔

"مجھے زیادہ بولنے کی عادت نہیں اپنے کام میں خود کرتا ہوں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا ہاں مگر آپ پوری طرح آزاد ہیں جیسے مرضی گھر چلائیں جو مرضی ہمیں کھلائیں پلائیں میں آپ کی روٹین یا ایکٹیویٹیز میں نہیں کروں گا کیونکہ" ودیعہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے" دل نے خواہش کی ودیعہ نے پھر ڈانٹا" او بدتمیز ایک پل میں محبت کہاں سے آ گئی؟"

"کیونکہ مجھے مردوں کی بے وجہ حاکمیت پسند نہیں سارے اختیار ساری عزت آپ کی ہو گی" "اور محبت؟" ودیعہ کی آنکھوں میں آس اتر آئی" میں اپنے حصے کی محبت کر چکا ہوں" کچھ زور سے ٹوٹا بہت بڑا دھماکہ ہوا مگر ذرا بھی آواز نہیں آئی آواز تو وجدان حیدر کی آ رہی تھی۔

"میں نے آمنہ علوی سے بے تحاشہ محبت کی" وجدان نے سگریٹ جلایا وہ ہار گئی یہ بازی بھی ساکت بیٹھی رہی۔

"وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی تھی اتنا پیار، اتنی باتیں، اتنی فیلنگز ہم میں باہم تھیں کہ" وہ رکا ودیعہ نے دیکھا اس نے انگلی کی پور سے آنکھ کا کونا صاف کیا۔" کہ" ودیعہ نے یاد دلایا پورے وجود میں اذیت ہی اذیت تھی۔

"وہ مر گئی اور اس کے ساتھ ہی سب ختم ہو گیا"

کون کرم نروار وے ساتول
کون کرم نروار وے
بھاہ برہوں دی جی نت پھوکے
کھلی جند پتاں تے کوکے

ہ شدت سے دونوں کی آنکھیں بھیگ گئیں مگر درد جدا جدا تھا۔ بدن کا سفر اور بھٹکتی کرلاتی دو روحیں نارسائی کے درد سے دہک رہی تھیں وہ دیعہ جمال کے ذہن میں بھی

فا چشتی کی ''کافی'' کے بول عورت کے درد نہیں انسان کے درد سے چھلکتا ایک ایک لفظ، بے بسی کی آگ میں جلتا وہ آنکھیں کھولے وجدان حیدر کو تک رہی تھی وہ

نے اور آئندہ زندگی کے طریقے سلیقے سمجھا رہا تھا۔ ودیعہ کو سنائی نہیں دے رہا تھا مگر وہ بخوبی سمجھ رہی تھی زندگی کی ''تھیوری'' کو اُسے اپنی تمام کشتیاں جلی ہوئی نظر آ رہی

دشام ہی الگ تھیں اُسکے ممی پپا چلے گئے۔ اور وہ خود کالج ٹیوشنز، ٹیوشنز، یا پھر اپنے سٹڈی روم میں مگر جب بھی سامنے آتا تو کیئرنگ نظر آتا

،

ر تبادلہ ہوتا رہتا اور رشتے کا گماں رہتا ودیعہ جمال روز پچھلے گیٹ سے نکل آتی اور لان کے سامنے کی سیڑھیوں پر گھٹنوں بیٹھی رہتی اور سالوں بیتتے جا رہے تھے۔

ئی مہمان نہ ہی کوئی نیا مہمان کوئی ننھا سا وجود جو اُن کی تنہائیوں کو بانٹ لیتا اور ودیعہ جمال کے خالی وجود کو مکمل کر دیتا'' بھلا زندگی میں سب کچھ ہو پھر بھی وجود خالی

سب کچھ سکتا ہوا سناٹے میں ڈوبا۔ کبھی کبھی تو وہ چلتی پھرتی بولتی رہتی اور کبھی دنوں چپ رہتی خود کلامیاں بھی دم توڑ دیتیں'' آج کچھ خاص اہتمام کر لینا'' وجدان

نے ہی اُسے پالا۔ پڑھایا بہت پیار دیا۔'' وہ آج تک کہاں تھا، مجھے کسی نے بتانا ضروری ہی نہیں سمجھا'' ''ہم ہمیشہ اس کے پیرنٹس کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے رہے

ہ کا سٹوڈنٹ تھا''

ہ گئے'' ودیعہ تڑپ کر اس کے قریب والی کرسی پر آ بیٹھی'' لیس ہمیں عاشر سے بہت پیار ہے۔ ممی بھی بہت تڑپی روئیں مگر وہ بہت سمجھدار ہیں وہ اپنے درد سے زیادہ اُس

پنے اکلوتے بیٹے کے لیے تڑپتی روتی رہی''

نے گیا وہ ساکت بیٹھی رہی پھر وہ چلا گیا'' میں لیٹ ہو رہا ہوں سویٹ ہارٹ ان شارٹ عاشر از ویری امپورٹینٹ پرسن''۔

ملنے آ رہا ہے پھر حیدر آباد جائے گا'' اور وجدان حیدر اُسے حیرتوں میں گھیرا چھوڑ کر چلا گیا وہ حسب عادت دیر تک بیٹھی سوچتی رہی پھر خانساماں کو کھانے کا آرڈر دے کر

''میں اور بھائی سب کچھ خود کرتے تھے خاص طور پر کوکنگ، ممی ہمیشہ امریکہ پاپا جان کے پاس آتی جاتی رہتیں'' وہ بولنا شروع ہو گیا تو وہ مسکرانے لگی۔

''بھائی صرف آرڈر کرتے سب کام میں کرتا جب میں کام کر لیتا تو بھائی مجھے بہت پیار کرتے بس چائے بنانی آتی تھی وہ بنا لاتے اور ساتھ ساتھ مجھے مکھن لگاتے رہتے'' ''میں پھر تازہ دم'' وہ اکڑ کر بولا تو ودیعہ کھلکھلا کر ہنس دی وہ ٹھٹھکا اور قریب چلا آیا۔

''اوہ گاڈ آپ کی ہنسی کس قدر خوبصورت ہے'' وہ بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا مگر ودیعہ تو بے ہوش ہی ہونے والی تھی عاشر نے اس کے گال کے ڈمپل کو چھوا تو وہ پتھر ہو گئی۔

''آپ جا کر بیٹھو، فریش ہو جاؤ چینج کرو میں لے آتی ہوں کافی کچھ'' ودیعہ نے ذرا خفگی سے گھبرا کے ٹالنا چاہا تو وہ ''اوکے'' کہتا ہوا چلا گیا مگر اس کی آواز آ رہی تھی ودیعہ نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا وہ نوکروں سے مل رہا تھا، پھولوں کو چھو رہا تھا، مالی سے پائپ پکڑ کر لان کے در و دیوار کو شرارت سے بھگویا تو ودیعہ کو نجانے کیوں اپنے پورے وجود میں بھی محسوس ہوئی، عجب ٹھنڈک اور سکون وہ دیکھتی رہی۔

زندگی اُسکے لہجے سے چھلکتی دیکھی

میں نے کلی کلی بہکتی دیکھی

وہ شوخ لہجے میں بولتا ہے تو یوں جیسے فضا میں تتلیاں رقص کرتی ہیں وہ بڑبڑا رہی تھی نجانے کتنے سالوں بعد ودیعہ کو اپنی آواز ہی اجنبی لگی اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنا ماتھا چھوا۔

''ٹھیک تو ہوں میں، آج پھر سالوں بعد میرے اندر زندگی سے بھرپور ودیعہ جمال نے کروٹ کیوں لی'' وہ بڑبڑائی اور گھبرا کر تیز تیز ہاتھ چلانے لگی۔ سب ٹرالی میں سجا کر باہر چلی آئی اور ایکبار پھر وہ بولتا رہا کھاتا رہا، ہنستا رہا مسلسل، ودیعہ سنتی رہی بس...... وجدان بھی بے تحاشا خوش تھا جانے کہاں سے رونقیں ہی رونقیں آ گئی تھیں یوں لگتا در و دیوار بھی اس کے ساتھ چہکتے اور پھر جانے کب ودیعہ نے بھی ہنسنا سیکھ لیا وہ اس کے ساتھ گھنٹوں باتیں کرتی زور زور سے ہنستی تو آنکھیں بھیگ جاتیں وہ نئی سے نئی فرمائشیں کرتا، کبھی پراٹھے پکوا کر کھاتا، کبھی دونوں مل کے کیک ٹرائی کرتے خراب ہو جاتا تو ہنس ہنس کے ایک دوسرے کے منہ پر ملتے اور پھر ٹرائی کرنے لگتے پھر ایک دن وہ اسے گھمانے لے گیا دن گزرتے رہے رات کو وہ تھک کر بے حال تھی یا شاید اندر کی جنگ سے تھک رہی تھی تبھی تو وجدان کو عاشر کی شوخیوں شرارتوں کے قصے سنانے لگی کہ شاید اسے برا لگے شاید وہ غصے سے ودیعہ کو عاشر سے زیادہ بات کرنے سے روک دے مگر ''وہ ایسا ہی ہے دلوں کو تسخیر کرنے کا فن جانتا ہے'' وجدان نے مسکرا کر کہا تو جانے کیوں وہ جل ہی گئی غصے سے اٹھی اور باہر چلی گئی۔

''یونہی روح کو جلاتی ہے نئے راستے دکھاتی ہے وہ رستے بھی ایسے ہوتے ہیں جو سب جنگل میں جا رکتے ہیں، عجب زندگی کی عادت ہے''

وہ بڑبڑاتی ہوئی ٹیرس پر چل رہی تھی۔ سرد ہوا نے اس کے رگ و پے میں تھرتھراہٹ سی پیدا کی تو وہ جانے کیوں بے بسی سے آسمان کو تکنے لگی ذرا سا شکوہ تو تھا آنکھوں میں مگر شکایت کے لفظ مرتب نہ ہو پائے وہ دیر تک ٹہلتی رہی اور رات دھیرے دھیرے گزرتی رہی۔

''اوکے گاڑیا اپنا آخری ناشتہ ہے کچھ دیر میں کوچ کروں گا۔'' عاشر چہک کر بولا تو ودیعہ کے ہاتھ سے نوالا گر گیا ''آلو والے پراٹھے کا شاید آخری نوالہ'' ''عاشر نہیں کھائے گا تو میں کیوں بناؤں گی'' کوئی اندر رندھی ہوئی آواز سے بولا۔

''بھائی اب کی بار تو بہت مزا آیا بہت انجوائے کیا۔ ودیعہ کے آنے سے گھر میں زندگی ہی زندگی ہے یو آر گڈ اور اب مجھے آپ کی طرف سے پورا سکون رہے گا بس جو ایک کمی ہے وہ بھی پوری ہو جائے تو'' اس نے شرارت سے ودیعہ کو دیکھا مگر وہ تو اذیت کی عجب خود ساختہ ساعتوں سے گزر رہی تھی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ ''میں ماں نہیں بن سکتی'' وہ زار و قطار روئی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی گئی اپنے کمرے میں بند روتی جا رہی تھی نا جانے کون کون سا درد تھا جو آج آنکھوں میں رستے بنانے لگا۔

شام تک کمرے میں بند رہی اور وہ عاشر علیم چلا گیا کچھ بھی کہے بغیر ودیعہ نے بارہا خود کو کوسا کہ شاید اس نے جاتے جاتے بارہا مڑ کر دیکھا ہو شاید اس کی نظروں نے مجھے ڈھونڈا ہو ''مگر کیوں وہ بھائی سے مل کر چلا گیا مجھے کیوں ڈھونڈتا'' اس نے سرزنش کی لٹی کی اپنے خیالات کی خود اپنے آپ کی وجدان حیدر کو وہ ایک دم بدلی بدلی لگی روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی پورے گھر میں موت جیسی خاموشی پھیل رہتی وہ پتھر کے بت جیسی خاموش پھرتی رہتی تو وہ کچھ وقت گھر کو اور اسے جو اس کی جیون ساتھی تھی اس کے گھر کی رونق تھی اسے دینے لگا لیکن شاید دیر ہو گئی تھی بہت دیر وہ تو گھلتی ہی جا رہی تھی کوئی روگ لگ گیا تھا جان کو ''عاشر آ رہا ہے اپنی فیملی کے ساتھ''

وجدان حیدر نے جاتے جاتے کہا تو وہ چونکی ہی نہیں بالکل حرکت ہی نہ پیدا ہو سکی اس کے پتھر وجود میں وہ ایسے ہی بیٹھی رہی شام کے سائے ڈھل رہے تھے وہ ساکت نظروں سے پھولوں کو گھورتی رہی، بدلتے رنگوں سے سالوں کے گزرنے کا اندازہ ہوتا تھا۔

''عاشر مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا تم نے کچھ کرنا نہیں ہوتا میں ہی سنبھالوں تو بہ''

کوئی پیاری سی سریلی آواز تیز تیز بولتی اس کی طرف بڑھ رہی تھی ودیعہ نے آنکھیں اٹھائیں اور پر اس کی آنکھوں میں روشنیاں ہی روشنیاں بکھر گئیں اس نے دونوں بچے ودیعہ کی گود میں تھما دیے۔

''لو جی انہیں سنبھالو'' اور ہاں بھابھی جی ہم نے عاشر کو بتا دیا ہے کہ یہاں تک تو دونوں شہزادے آ گئیں گے مگر ہم واپس ایک ہی کو لے جائیں گے۔ کچھ آپ بھی تو کرو ناں ہم نے عاشر سے شادی کیا کر لی ہماری تو مت ہی ماری گئی جی گھر سنبھالو، ماں جی کی سو سو ناز برداریاں اٹھاؤ اور اب یہ''

اس نے بچوں کی طرف اشارہ کیا تو ودیعہ نے دونوں کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا اور جیسے روم روم سے مامتا محبت بن کر چھلک پڑی ودیعہ نے بے تابی سے بچوں کو چوم ڈالا۔

''حمیرا نام ہے اس توپ کا بہت اچھی ہے بس بولتی زیادہ ہے''

ودیعہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ایک بازو کے گھیرے میں حمیرا کو بھی لے لیا

''بھتیں یونہی لہجے میں زندگی کو زندہ رکھتی ہیں'' وہ عاشر کی طرف دیکھ کر بولی۔

''آپ تو بہت کمزور ہو گئی ہیں دو سال ہی تو ہوئے مجھے گئے ہوئے آپ تو بالکل بوڑھی ہو گئیں'' عاشر نے ساتھ چلتے چلتے کہا۔

اب تم آ ؤ گے ناں تو تمہیں ہر طرف زندگی نظر آئے گی میں، وجدان اور ہمارا بیٹا اس گھر کے درو دیوار کو آوازیں دیں گے۔"

"اس کی معصوم چہکاریں اور ہماری ڈانٹ" وہ بولتی جا رہی تھی۔ "عاشر تم دیکھنا اب" وہ ہنسنے لگی تو عاشر بھی ہنس دیا لیکن آنکھ کا گوشہ ذرا سا نم ہو گیا۔

☆☆☆☆

درد گر آدمی ہوتا

زندگی دکھوں اور سکھوں کا حسین امتزاج ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خوشی خال خال ہی رہ جاتی ہے، چاروں طرف دکھ ہی دکھ غالب نظر آتے ہیں اور اس بری طرح سے انسان کو جکڑ لیتے ہیں کہ وہ بیٹھ کر دھیان لگا کر خوشی ڈھونڈتا ہے اور پھر اس راحت افزا احساس کو خود پہ طاری کر لیتا ہے تاکہ کچھ دیر اور جی سکے یا دکھوں کی موسلا دھار بارش کو جھیلنے کے قابل ہو سکے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش رہ لیتے ہیں یا ہر طرح کے حالات سے خوشیاں کشید کرنے کا فن جانتے ہیں۔ ایسی ہی تھی درثمن پانچ بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور ماں باپ جو دھڑا دھڑ پانچ بیٹیوں کی وجہ سے ساری نرمی، شفقت اور شگفتگی کھو چکے تھے۔ بہت کم ہی کسی کو پیار کرتے یا مالی سہولتوں کے علاوہ کسی بھی قسم کے جذباتی سہارے کا سبب بنتے۔ ان کا یہی مزاج ان کی بیٹیوں نے اپنا لیا سب ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھیں شاید اسی لئے ان کا یہ لئے دیئے رہنے والے انداز انہیں مغرور ثابت کرنے کیلئے کافی تھے لیکن ثمن کچھ ایسی غیر معمولی نہ تھی۔ بس عام سی سانولی سی رنگت والی لیکن بہت ہی چنچل اور ہنس مکھ۔

درثمن کے ارد گرد رہنے والے سب لوگ اسے ہر وقت ہنستا دیکھ کر حیران تھے، کچھ حسد محسوس کرتے اور کچھ پوچھ لیتے آخر تمہیں اتنی خوشی کس بات کی ہے؟ پتا نہیں کیسے تمام ہر وقت ہنستی رہتی ہو؟ اور وہ پھر دلکشی سے ہنسنے لگتی۔ آہستہ آہستہ اس کی یہ عادت اسکی خوبصورتی اور پہچان بنتی جا رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی جب بڑی آپی کے بعد دوسری، تیسری اور پھر چوتھی بہن کی بھی شادی ہو گئی اسے تو سب لڑکے اور ان کے گھرانے بہت اچھے لگے تھے وہ دوستوں میں اترا اترا کر اپنے بہنوئیوں کی تعریفیں کرتی نہ تھکتی تھی۔ اسے تو لگتا اس کے بہنوئیوں نے اس کی بھائی نہ ہونے والی حسرت مٹا دی اس کی یہ بہت بڑی کمی دور کر دی لیکن اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی جب وہ کبھی اپنی ایک کبھی دوسری بہن کو روتے دھوتے اور شوہروں کی برائیاں کرتے دیکھتی۔ وہ آنکھیں پھاڑے بہنوں کو دیکھتی اور کبھی جو کسی بہن کو روتے ٹوک دیا یا بہنوئی کی حمایت کر دی تو شامت ہی آجاتی ماں سمیت سب اس کی خوب خاطر کرتیں۔

درثمن تھرڈ ائیر میں تھی جب ابا ریٹائر ہو گئے۔ وہ گھر کیا بیٹھے انہیں تو اچانک اپنے گھر میں بھرپور زندگی کا احساس ہی چونکا گیا پانچ بیٹیوں کے بوجھ تلے دبے ابا نے کب درثمن کی شوخیاں دیکھی تھیں۔ انہوں نے تو کبھی زندگی کو محسوس ہی نہ کیا تھا کبھی وقت ہی نہ ملا تھا لیکن اب ثمن ارد گرد پھرتی رہتی سارا دن خدمتیں کرتی۔ مزے مزے کی باتیں سناتی اور رات کو بیٹھ کر دیر تک دباتی رہتی تو اماں ابا دعائیں دیتے نہ تھکتے لیکن یہ دعائیں مستجاب ہونے کیلئے نہ تھیں۔ بہنیں اس سے حسد محسوس کرنے لگیں جب آتیں خوب جلی کٹی سناتیں اور وہ ہنستی رہتی۔ ایمن آپی کے میاں تو ثمن کی مثال دیتے نہ تھکتے ایسا ہی ایک دن تھا جب ایمن رو رو کر بہن کو بددعائیں دے رہی تھیں تو ان کا چھوٹا دیور ان کے آنسو پونچھنے چلا آیا وہ بری طرح نشے میں دھت تھا وہ بھابھی کو دلاسے دے رہا تھا لیکن ایمن کے آنسو خود بخود ہی رک گئے ایک انہونا، اچھوتا خیال ایمن کو مطمئن کر گیا۔ وہ اٹھی اور فوراً میکے کا نمبر گھما ڈالا۔ اس نے ماں کو اپنے دیور کیلئے ثمن کے رشتے کی بات کی اور بات کیا زمین آسمان کے قلابے ملا ڈالے۔ پھر بھی کچھ بدل گیا ایمن نے اپنے میاں سے بھی تعلقات بہت اچھے کر لئے وہ ثمن کو دل سے چاہتے تھے۔ بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح پیار کرتے تھے۔ اپنے گھر میں اس کے دلہن بن کے آنے کے خیال سے ہی مسرور ہو گئے۔

درثمن کو بال کی کھال اتارنے کی عادت نہ تھی وہ خوش تھی ہمیشہ کی طرح اس نے اپنی شادی کی سب رسموں کو خوب خوب انجوائے کیا اور پھر وہ اماں ابا کی دعائیں لئے سسرال چلی آئی۔ جو اسکی اپنی ماں جائی اس کے ایک دیور اور شوہر پر ہی مشتمل تھی لیکن ایمن صرف بہن نہیں تھی وہ اسکی جیٹھانی اور ساس بھی بن چکی تھی۔ اس نے سسرال میں کوئی ایک رسم بھی پوری نہ کی بس اسے اس کے بیڈ روم میں پہنچا دیا جو کسی زیادتی سے کم نہ تھا۔ اس کے کمرے میں صرف ایک بیڈ تھا اور ایک طرف ڈریسنگ ٹیبل بس۔ اس کے اپنے جہیز کا سامان ہی جانے کہاں تھا اور دولہا۔ رات بیت رہی تھی بیٹھے بیٹھے اس کی کمر اکڑنے لگی لیکن وہ جس کے نام پر اس گھر میں آئی تھی وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ فجر کی اذانوں کے ساتھ گرتا لڑھکتا اس کے کمرے میں آیا اور صوفے پہ ہی لڑھک کر سو گیا۔ ثمن کی آنکھیں زندگی میں پہلی بار بھیگی ہی محسوس ہوئیں تو اسے خود یقین نہ آیا اور پھر روز یہی کچھ ہونے لگا۔ ایمن کن اکھیوں سے اسے دیکھتی اور اس کے دکھ محسوس کرنے یا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہ جاتی۔ وہ سب کے سامنے پہلے کی طرح ہی ہنستی کھلکھلاتی نظر آتی لیکن اندر اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا مگر اس نے خود کو مضبوط کیا اور سمجھایا کہ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔ ایمن اپنے دیور کے ساتھ مل کر روز نئے نئے طریقوں سے اسے ستانے لگی مگر وہ بھی ڈٹی رہی بہت محبت سے شوہر کے دل میں جگہ بنانے لگی۔ اسے دھیرے دھیرے یقین ہونے لگا وہ شوہر کے دل پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ وہ جب کھلکھلا کر ہنستی تو اسد ایک ٹک دیکھتا رہ جاتا۔ کبھی کبھی تو سوچتا وہ یونہی ہنستی رہے اور وہ دیکھتا رہے بس وقت رک جائے لیکن اس نے بھابھی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ درثمن کی ساری خوشیاں ملیامیٹ کر دے گا۔ یہ خیال آتے ہی وہ پھر اسے ٹارچر کرنے لگتا۔ لیکن اذیتوں کے در ثمن پر تب کھلے جب وہ اپنی بھابھی کو، ایمن کی سگی بہن کو اپنی کارروائیاں بڑھ چڑھ کر سنا رہا تھا اور وہ قہقہے لگا لگا کر ہنس رہی تھیں وہ اس کی بڑی آپی، اس کی سگی بہن ثمن کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل بھی پوری طرح پھٹ گیا تھا وہ وہیں زمین پہ بیٹھتی چلی گئی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ منافقت، نفرت اور سازشوں نے اسے بالکل توڑ پھوڑ دیا وہ رو رو کر کہہ رہی تھی" آپی آپ خوش رہو میرے رونے سے آپ خوش ہوتی ہیں ناں تو میں اب ہمیشہ روتی رہوں گی کیونکہ میرا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ محبتوں پہ میرا یقین مٹ گیا میری خوشیاں، مسکراہٹیں شوخیاں سب دم توڑ چکی ہیں" وہ دونوں ساکت کھڑے تھے پھر اسد کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی وہ آگے بڑھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا ثمن کے ہر آنسو کے ساتھ اس کا وجود بکھر رہا ہے۔ اس نے ثمن کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے وہ گڑگڑا کر معافیاں مانگ رہا تھا۔ پھر ایمن آپی بھی معافیاں مانگنے لگیں ثمن نے جیسے سب کچھ سوچا تھا، چاہا تھا ویسے ہی ہوا لیکن اب خوشی تو مر گئی تھی بس زندگی تھی جسے اماں، ابا کیلئے یہاں ہی گزارنا تھا تاکہ وہ پہلے جیسے فخر سے ہی لوگوں کو بتا سکیں کہ ان کی سب بیٹیاں اپنے گھروں میں آباد ہیں اور پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کیا محسوس کرتی تھی، ایمن آپی کیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ اس کا ہر جاننے والا اسے ایک مسکراہٹ کیلئے گھنٹوں سمجھاتا اسے پہلے کی طرح نظر آنے کے بارے میں کہتا تو وہ سر جھکا کر رہ جاتی۔ اسد روز اسے معاف کر دینے کی درخواستیں کرتا اور وہ بس اتنا کہتی "خوشی خود رو ہوتی ہے کہیں بھی کبھی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل قدرتی اور انمول شے خود بخود اندر سے پھوٹتی ہے۔ یہ کوئی ارادتاً کھینچ لانے والی چیز نہیں اور یوں بھی میں نے اپنے حصے کی ساری خوشیاں پالیں۔ میرے اندر اب ایسی کوئی چیز نہیں جو باہر آئے پھر خوشی تو بھرم ہے اعتماد ہے محبت ہے اور میں.......... میں کیا کروں؟ میں نے سب کھو دیا ہے۔"

درد گر آدمی ہوتا تو
گریبان پکڑ کر کہتے
اس طرح رہتے ہیں بے چین دلوں میں؟
اس طرح کرتے ہیں اپنے پیاروں سے
دل میں رہنا ہے تو کچھ ٹھیک سے رہنا سیکھو
ہم جو تجھے سہتے ہیں
تم بھی ہمیں سہنا سیکھو۔

☆☆☆☆

ہیرو

"تابی میرے جوتے کی سلائی ہو گئی"۔

"ہاں جی"

"اور وہ پیپر فوٹو اسٹیٹ کروائے ہیں"

"جی اندر رکھے ہیں"

"تابی دو کپ چائے بنا کے میرے کمرے میں لے آؤ مل کے پئیں گے"۔

شوال نے گویا بہت بڑی مہربانی کی وہ زیر لب مسکرایا اور کچن کی طرف بڑھ گیا وہ تھا ہی بہت صابر و شاکر اور بتا بعدار وہ خود کو کبھی خالہ امی کے احسانوں کے بوجھ سے نکال ہی نہ سکا تھا اسے ہمیشہ یاد رہتا جب وہ چھوٹا سا تھا تو اسکی ماں کے مرنے کے بعد خالہ امی نے اتنی محبت سے اسے سینے سے لگایا تھا کہ وہ ماں کو بھی بھول گیا تھا بستر پہ ہاتھ مار مار کر روتا تبھی تو خالہ امی میاں کی اجازت سے ساتھ ہی کوئٹہ لے آئیں وہ آرمی آفیسر تھے شادی کر کے بیوی کو ساتھ ہی لے آئے اور جب بیوی آفتاب احمد کو ہمراہ لائیں تو بھی انہیں بالکل برا نہ لگا لیکن خالہ امی نے اب آفتاب کو صرف گھر میں جگہ دی۔ اب وہ ان کے ساتھ بیڈ پر نہیں سو سکتا تھا اور پھر دھیرے دھیرے خالہ امی بدلتی گئیں وہ بہت ساری آسائشات ملنے پر ست الوجودی ہو کر رہ گئیں اسکا خیال رکھتیں لیکن اپنے بہت سے چھوٹے موٹے کام اس سے کروانے لگیں پھر ان کی بیٹی ہو گئی تو "تابی یہ کرو وہ کرو"۔

"تابی جانساماں کو ذرا نظر میں رکھا کرو"۔

"تابی گڑیا کا خیال رکھنا"۔

وہ اسے حکم پہ حکم دیتے جاتیں بار ہا بازاروں کے چکر لگواتیں وہ گھبرا کر رہ جاتا لیکن انکار نہ کرتا۔

خالہ امی اکثر خالو کے ہاں پارٹیز میں جاتیں تو اُسے اپنی تیاری کیلئے گھنٹوں کھڑا رکھتیں۔

"تابی اسکی میچنگ چوڑیاں نکالنا"

"تابی ذرا جوتا چیک کرنا ٹوٹنے والا تو نہیں"

"ٹھنڈا پانی پلانا"

"تابی لپ اسٹک پکڑانا"۔

"تابی اپنے خالو کے کپڑے پریس کر کے ہینگ کر دینا" اور پھر جاتے جاتے کہتیں!

"تابی گڑیا کا خیال رکھنا"۔

وہ جو حکم پہ حکم مانتا گھوم چکا ہوتا اس آخری حکم پہ نہال سا ہو جاتا اور شوال کو سینے سے لگائے ادھر سے اُدھر گھومتا رہتا اسکی ساری تھکن جیسے چھو ہو جاتی وہ جیسے جیسے کھلکھلا کر ہنستی وہ نثار ہوتی نظروں سے دیکھتا رہتا پانچ سال کا ہی تو فرق تھا دونوں میں لیکن وہ اندر سے خاصا بڑا ہو گیا تھا اس نے وقت سے پہلے ہی بہت سی ذمہ داریاں اُٹھالی تھیں اور پھر وقت یونہی گزرتا چلا گیا اب خالہ امی کے ساتھ ساتھ شوال بھی اسے ہی سارے کام کہتی اور وہ بڑے پیار سے کرتا جاتا۔ انہی کاموں کی وجہ سے بمشکل میٹرک کر سکا تھا پھر اس نے خود ہی منع کر دیا۔

"خالہ امی مجھے پڑھنے کا بالکل شوق نہیں۔ میں ہیرو بننا چاہتا ہوں"۔

وہ سر جھکا کر مسکرایا تو خالہ امی کے ساتھ ساتھ خالو اور شوال بھی ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے لیکن وہ نروٹھے پن سے کھڑا رہا۔

"دیکھ لینا میں تمہیں ہیرو بن کے دکھاؤں گا"۔

اس نے گڑیا کی ناک دبا کر کہا اور باہر چلا گیا۔

شوال کو کالج سے لانا لے جانا اس کی دوستوں کی طرف چھوڑنا اسکے سب چھوٹے موٹے کام آفتاب کی ذمہ داری بن کر رہ گئے تھے۔

اسے محسوس ہوتا وہ نہ ہو گا تو شوال کچھ بھی نہ کر سکے گی اور شوال کو بھی تو اس کے بغیر اپنا گزارہ ہونا مشکل ہی نظر آتا تھا۔

آفتاب کے دوستوں کی تعداد بڑھنے لگی اس نے پان کھانا شروع کر دیا تھا وہ چاہتا تھا شوال اسے روکے لیکن وہ اس کا مذاق اُڑاتی تو وہ اور زیادہ کھانے لگا اسکے دوست یار اسے شوال کے حوالے سے چھیڑتے تو اس کا سیروں خون بڑھ جاتا۔

"شوال صرف میری ملکیت ہے"۔ وہ اکثر خود کو یقین دلاتا۔

اپنے کسی دوست کی وساطت سے وہ علاقائی تھیٹر میں کام کرنے لگا تھا تو سرخ رومال گردن میں ڈالے سیدھا شوال کے بیڈ روم میں چلا آیا آج گردن میں غرور سا تھا شوال نے نگاہ اٹھا کے دیکھا اور پھر کتابیں ایک طرف سمیٹ کر اسکے لئے جگہ بنائی وہ کشن کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کیا معرکہ مار کے آئے ہو بڑے طرم خان سے لگ رہے ہو"؟

بس شوال کا پوچھنا تھا کہ وہ شروع ہو گیا۔

منہ میں پان گردن میں سرخ رومال ڈالے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ اسے اپنے ہیرو بننے کے قصے گھڑ گھڑ کے سناتا چلا گیا اور وہ ہنستی گئی۔

"او تو تم ہیرو بن گئے؟" وہ ہنستے ہنستے بولی تو وہ بڑی شان سے بولا۔ "تھیٹر والے سر جی کہہ رہے تھے تجھ میں بڑا ٹیلنٹ ہے تو ایک دن بڑی سکرین کا ہیرو بنے گا"۔اب کے شوال کی ہنسی چھوٹی تو کنٹرول سے باہر تھی تبھی وہ خفا ہوتا اٹھ گیا۔

"تم دیکھ لینا ایک دن میں بہت بڑا ہیرو بنوں گا"

"ہاں پورے سوفٹ کا" وہ ہنستے ہنستے بے حال ہو رہی تھی وہ اسے گھورتا کمرے سے نکل آیا۔

"تابی دو چائے سٹڈی روم میں بھجوانا"۔ شوال نے اندر جاتے جاتے اسے حکم دیا تو وہ مستعدی سے دو چائے بنا کر ٹرے میں رکھے لے آیا لیکن شوال کے پاس بیٹھا خوبصورت سا نوجوان اسے حیران کر گیا جو اسکی جگہ پہ بیٹھا تھا اور شاید آج دوسرا کپ بھی اسی اجنبی کیلئے تھا۔

"ارے تابی ان سے ملو یہ عاشر ہیں انکل علی عثمان کے بیٹے۔انہیں میتھ میں پرابلم ہے آج سے ہم مل کر اسٹڈی کیا کریں گے"

شوال کے تعارف کرانے پر اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور چائے میز پہ رکھ دی"۔

"عاشر یہ آفتاب ہیں ہمارے کزن اور مستقبل کے ہیرو"

اس کا تعارف کروا کر شوال ہنسی تو عاشر بھی ہنسنے لگا۔

"اچھا تو آپ کو ہیرو بننے کا شوق ہے"۔

"جی" وہ جل کر مختصر سا جواب دے کر لوٹ گیا اور پھر تقریباً دو گھنٹے تک وہ چوکیدار بنا سیڑھیوں پر بیٹھا رہا عاشر اس کے قریب سے گزر کر چلا گیا تو وہ بھی اٹھ کر باہر چلا گیا وہ شوال سے ناراض تھا لیکن وہ اسے کب مناتی تھی وہ خود ہی مان جاتا تھا۔رات کو آیا تو کھانا گرم کر کے کھایا اور پھر اس کے پاس آ بیٹھا دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتا وہ اپنی ناراضگی کو بالکل ہی بھول بیٹھا تھا۔

لیکن دوسرے دن جب عاشر آیا تو آفتاب کو اپنی کل کی تمام تر ناراضگی یاد آ گئی وہ بے چین سا ادھر ادھر پھرتا رہا اور پھر باہر نکل گیا دیر تک سڑکوں پر بے مقصد گھومتے ہوئے اس کا دماغ مسلسل کھولتا رہا۔

اور شاید اس کے دماغ کا خلل ہی تھا جو اسے برے لڑکوں کی صحبت میں لے آیا۔ دوستیاں بڑھتے بڑھتے رازداریاں بن گئیں وہ انہیں اپنی محبت کے چھن جانے کے خود ساختہ قصے سناتا تو وہ اسے ایک سگریٹ دیتے یہ کہہ کر کہ اسے اس کا دل و دماغ پرسکون ہو جائے گا اس کا دکھ کم ہو جائے گا وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگا۔

عاشر اور شوال کی دوستی نے محبت کی شکل کیا بدلی وہ تو بالکل ناکارہ ہو کر رہ گیا۔عاشر اب گھنٹوں آ کر انکل کے ساتھ بھی بیٹھ کر باتیں بگھارتا رہتا اور آفتاب کو لگا اس گھر میں اور اس کے مکینوں کے دل میں اسکی ساری جگہ پہ لڑکا لے چکا ہے اور "یوں تو دھیرے دھیرے اپنا پتہ ہی کٹ جائے گا پیارے" وہ خود سے بولا۔

اسی لمحے ایک خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا تو وہ جلدی سے اٹھا اپنی جیب میں کسی چیز کی موجودگی کو چھو کر محسوس کیا اور پھر کچن میں چلا آیا۔

"کبھی تو ہیرو لگتا ہے کبھی تو......" وہ گنگناتے ہوئے چائے بنا رہا تھا جب شوال نے کچن میں جھانکا۔ "ہیرو صاحب آجکل ہوتے کہاں ہیں آپ کہیں فلم ولم تو سائن نہیں کر لی؟ کبھی نظر ہی نہیں آتے ہو"۔

"تمہاری نظریں ہی فارغ نہیں ہوتیں" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا تو وہ شرمندہ سی ہوئی اور پھر مسکراتے ہوئے بولی "تمہیں بہت سی باتیں بتانا ہیں" اور پھر بغور اسے دیکھتی قریب چلی آئی "تم کمزور کیوں ہو رہے ہو اور یہ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ؟" شوال نے انگلی کی پوروں سے حلقوں کو چھوا تو وہ پورا سحر زدہ ہو گیا۔

"یہ کہ چھوتا تو نہیں کہ آفتاب کو کوئی پوچھتا ہی نہیں کوئی آفتاب سے محبت ہی نہیں کرتا تو اس کا وجود تو بے مقصد، بے کار ہی ہوا ناں"

وہ اکثر باتیں اپنا نام لے کر کرتا تھا یہ بھی اس کا خاص اسٹائل تھا شوال نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ ہلایا تو جیسے طلسم ٹوٹا وہ ہوش میں آ گیا۔

"مسٹر آفتاب آپ کہیں ہیرو بنتے بنتے کہانی کار تو نہیں بن گئے جو اتنے بھاری بھاری ڈائیلاگ بولنے لگے ہو؟"

وہ مسکراتا ہوا چائے کپوں میں ڈال رہا تھا شوال نے بسکٹ نمکو وغیرہ پلیٹوں میں ڈالی اور ایک کپ اٹھا کر ٹرے میں رکھا "اپنے لئے بھی چائے ڈالو اور یہ غلط فہمی ہے جناب کہ کوئی پوچھتا نہیں، محبت نہیں کرتا روز رات کے کھانے پہ سب آپ کا انتظار کرتے ہیں اور کل تو پاپا جی کہہ رہے تھے ممی سے کہ آفتاب آجکل نظر ہی نہیں آتا، اس کا خیال رکھا کرو کہیں کسی بری صحبت میں نہ پڑ جائے"۔شوال اسے بتاتے بتاتے پلیٹیں ٹرالی میں رکھ کر گھسیٹتی ہوئی لے گئی اور آفتاب کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی سی محسوس ہوئی۔

"بری صحبت میں تو پڑ گیا میں خالو جی لیکن اس گھر میں اپنی جگہ میں ختم نہیں ہونے دوں گا میں ہی اپنی اس لو اسٹوری کا ہیرو ہوں صرف میں' اور اب کہانی میں ٹوئسٹ آ جائے گا بس سائیڈ ہیرو کی تو چھٹی"۔اس نے منہ پر ہاتھ پھیرتے اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے سب میں آ بیٹھا سب کے ساتھ مل کر چائے پیتے ہوئے وہ عاشر سے بھی فری ہو کر باتیں کر رہا تھا اور پھر روز ہی وہ تین کپ چائے لئے اسٹڈی میں چلا آتا عاشر کا کپ خود اسے تھماتا اور کچھ دیر ان کے ساتھ گپیں مار کر وہ اٹھ جاتا پھر عاشر بھی کم ہی بیٹھتا۔

آہستہ آہستہ وہ اپنا کام کر رہا تھا اور ساتھ میں اس نے اپنا خیال رکھنا شروع کر دیا تھا وہ بہت کم باہر جاتا کبھی خالہ امی کے پاس آ بیٹھتا تو کبھی بے وجہ کی گھریلو مصروفیات نکال لیتا تبھی اس نے نوٹ کیا آجکل عاشر بہت کم کم آتا ہے اور وہ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رینگ گئی' کبھی تو ہیرو لگتا ہے کبھی تو ہیرو لگتا ہے' وہ بس اتنا ہی بار بار گنگناتا تھا اب بھی گنگناتے ہوئے پودوں کی کانٹ

چھانٹ کروا رہا تھا اور اندر جاتے حاشر کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

''منزل بہت قریب ہے'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اور جب رات گئے وہ گھر لوٹا تو لان کے کسی بنچ پر کوئی بیٹھا ہوا لگا وہ ادھر ہی چلا آیا اور پھر شوال کو سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر وہ آگے بڑھا وہ سسکیوں سے رو رہی تھی وہ اسکے گھٹنوں کے قریب آ بیٹھا تو وہ چونکی۔

''کیا ہو گیا تم رو کیوں رہی ہو'' ؟ آفتاب نے اسکے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ اور شدت سے رو دی آفتاب سخت گھبرا گیا اس نے پہلی بار شوال کو اتنی شدت سے روتے دیکھا تھا۔

''شوال خدارا کچھ تو کہو'' ؟

''تابی وہ وہ بہت بیمار ہے بہت' ڈاکٹرز کہتے ہیں اس کی حالت بہت سیریس ہے'' اس نے ہچکیوں میں روتے ہوئے بتایا تو آفتاب نے اور مضبوطی سے اس کے ہاتھ دبائے۔

''ٹھیک ہو جائے گا پاگل اس میں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے جوان آدمی ہے بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا ویسے ہوا کیا ہے اسے'' ؟

''تابی ڈاکٹرز کا کہنا ہے حاشر سلو پوائزننگ کر رہا تھا اور زہر کی کافی زیادہ مقدار اسکی باڈی میں جا چکی ہے تابی وہ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ تو زندگی سے جذبوں سے خوشیوں سے بھرپور ہے اسے کسی چیز کی کمی نہیں پھر وہ'' شوال کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا آفتاب نے اسے اٹھاتے ہوئے اندر لے جانے کی کوشش کی وہ اسے بازو کے حصار میں لئے اندر کی طرف بڑھا شوال کا وجود ہنوز سسکیوں کی زد میں تھا۔

''بہت سردی ہے باہر تم خود بیمار پڑ جاؤ گی تو حاشر کا خیال کیسے رکھ پاؤ گی اور ڈاکٹرز جو بھی کہیں تم دیکھنا وہ ٹھیک ہو جائیگا''۔

''میرے منہ میں خاک'' وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ شوال کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر چند لمحے اسے تسلیاں دے کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا اور دروازہ بند کرتے ہی وہ گھوم گھوم کر ناچنے لگا وہ تالیاں بجاتا اپنی کامیابی کو سیلیبریٹ کر رہا تھا۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا''۔ ہونہہ اس نے اپنی ہی نقل اُتاری۔

''تو بڑا تیز ہو گیا ہے ہیرو خود ہی ڈائیلاگ لکھتا ہے خود ہی ایکٹنگ کرتا ہے استاد'' اس نے خود کو شیشے میں دیکھ کر شاباشی دی اور پھر بال سنوارتا ہوا وہ خود کو یقین دلا رہا تھا۔

''شوال صرف میری ہے، صرف آفتاب احمد کی ہیروئن''

وہ خباثت سے کھل کر ہنسنے لگا۔

سارے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے ہر کمرے میں جا کر دیکھا لائٹس آن کی اور پھر واپس گیٹ کی طرف چلا آیا۔

''سب لوگ کہاں ہیں'' ؟ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

''وہ جی حاشر بیٹا کے گھر سے فون آیا تھا وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے جی سب ہاسپٹل گئے ہیں خدا ان پر رحم کرے''

آفتاب نے گھور کر چوکیدار بابا کو دیکھا اور بائیک لئے باہر نکل آیا۔ شوال کے موبائل فون پر رنگ کر کے اس نے ہاسپٹل پوچھا اور چلا آیا۔

سب نم آنکھوں سے مغموم سے کھڑے تھے اور شوال دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے زار و قطار رو رہی تھی۔ آفتاب تیز قدم اُٹھاتا اسکے پاس آ بیٹھا تو وہ چونکی اور اس کے ہاتھ پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور وہ ہولے ہولے اسے تسلیاں دے رہا تھا۔

''تم غلط کہہ رہے ہو وہ ٹھیک ہوہی نہیں سکتا تابی ڈاکٹرز نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ حاشر کو نہیں بچا سکتے وہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے صرف چند گھنٹے کا''

''تابی اسکے دونوں گردے ضائع ہو چکے ہیں بار بار واش کرنے سے صرف ایک گردہ اسے اڑتالیس گھنٹوں تک زندہ رکھ سکتا ہے' تابی وہ صرف چند گھنٹوں کا مہمان ہے جو زندگی بھر ساتھ نبھانے کے وعدے کر رہا تھا' تابی ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں بہت اور......اگر وہ زندہ نہ رہا تو میں بھی''

آفتاب نے تڑپ کر اسے روکا۔

''نہیں تابی میں حاشر کے بغیر جی نہیں سکوں گی اس کے ساتھ کئے ہوئے وعدے مجھے جینے نہیں دیں گے میں زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔ حاشر کے بغیر تم دیکھنا میں بھی مر جاؤں گی؟

تابی کو لگا دنیا ایک جھماکے سے گھوم گئی اور بہت زور سے کچھ اندر ٹوٹ گیا' خالہ امی خالو اور میں بہت پیار کرتے ہیں تم سے'' وہ کمزور سے لہجے میں بولا مگر شوال نفی میں سر ہلاتی رہی پھر ہمیشہ کی طرح اس نے ایک پل ہی میں فیصلہ کر ڈالا وہ اٹھا شوال کے شانوں پہ ہاتھ ڈال کے بولا۔

''وہ ضرور جئے گا اسے تمہارے ساتھ کئے سارے وعدے نبھانا ہوں گے''۔

شوال آنکھیں پھاڑے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آفتاب ڈاکٹرز کو قائل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا کہ اسکے دونوں گردے حاشر کو ٹرانسپلانٹ کر دیے جائیں لیکن ڈاکٹرز اتنا بڑا رسک لینے سے اسے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے پھر ڈاکٹرز نے متفقہ فیصلہ کیا کہ حاشر کو ایک گردہ دے کر زندہ رکھا جا سکتا ہے لیکن آفتاب اپنی ضد پر قائم رہا بالآخر اس نے صاف کہہ دیا۔

''میں جینا نہیں چاہتا اگر آپ میرے دونوں گردے حاشر کو نہیں دیں تو میں ابھی آج ہی خودکشی کر لوں گا لیکن اگر آپ حاشر کا دوسرا گردہ مجھے دے کر چند گھنٹے زندہ رکھ سکتے ہیں تو آپ کا احسان ہو گا میں حاشر کو زندہ اور شوال کو ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں پلیز''۔

آفتاب نے دونوں ہاتھ جوڑ کر منت کی اور پھر کئی گھنٹے کے آپریشن کے بعد زندگی کا روپ ہی بدل گیا۔

وہ آفتاب احمد جو حاشر کو موت دے کر اپنی کہانی کا ہیرو بننا چاہتا تھا اب حاشر کی موت کو گلے لگا کر امر ہونے والا تھا وہ بے ہوش پڑا تھا اور اس کے گرد خالہ امی خالو جان' شوال اور حاشر کے ممی پاپا سب کی آنکھیں اشکبار تھیں وہ ایک انمٹ کردار بن چکا تھا سب کی نگاہوں میں مکمل ہیرو۔

تبھی اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں اسکی لرزتی پلکوں میں شوال کا سراپا اُتر آیا وہ اب بھی رو رہی تھی آفتاب نے ذہن پہ زور ڈالا سب واقعات دھیرے دھیرے واضح ہوتے گئے اس نے سر کی جنبش

سے شوال کو بلایا پھر خالہ امی پہ نگاہ ڈالی تو کتنے ہی شکوے دل میں امڈ آئے۔

''کاش خالہ امی آپ مجھے محبت دیتیں میری سچ تربیت کرتیں مجھے شوال کے قابل بناتیں تو آج میں ہی اپنی لو اسٹوری کا ہیرو ہوتا''

اسکی پلکوں کے کنارے بھیگتے چلے گئے سب قریب آ گئے خالہ امی اسکا ہاتھ پکڑے چوم رہی تھی اور باقی سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے اسکا شعور غافل ہو رہا تھا تبھی اس نے دیکھا شوال اس کے سینے پر سر رکھ کر رو رہی تھی ''تم تو سچ مچ ہیرو ہو آفتاب'' شوال نے روتے ہوئے کہا تو آفتاب کے سینے سے ایک سانس خارج ہوئی ایک لمبی سی ہچکی کی صورت میں جس نے روح کا سارا بوجھ ہٹا کر اسے امر کر دیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا۔

''کبھی تو ہیرو لگتا ہے'' مگر آواز نے ساتھ چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆

محبت کنگن بیلے کا

سرد ہوا کے بدمست جھونکے سب کو سمٹنے پر مجبور کر رہے تھے اور پوری ہٹ دھرمی سے کھلی ہوئی کھڑکی میں کسی منچلے جیسی خوبصورت عورت کی زلفوں کو چھیڑتے گنگناتے گزر رہے تھے۔ مگر اس کی آنکھیں پتھر کی طرح سامنے پرشور اور جھلملاتی سڑک پر ایستادہ تھیں وہ دنیا کو بھاگتے دوڑتے گزرتے ہی چلے جاتے دیکھ رہی تھیں یا نہیں۔ اُن کی صرف نگاہیں سڑک کی پتھریلی سطح پر گرتی نرم ملائم دھند اور پھوار پر مرکوز تھیں وہ خود تو شاید دور کہیں کسی لمحے کے تانے بانوں میں اُلجھی ہوئی تھیں یا پھر کمرے کے سوت جیسے سناٹے میں گونجتی گلوکار کی آواز میں جو کہہ رہا تھا

"میں تو جلا ایسا جیون بھر

کیا کوئی دیپ جلا ہوگا

نہ میری تھمیں نہ میری شامیں

کوئی اکیلا کیا ہوگا"

یہ بول روز اس کمرے کی فضا میں گونجتے تھے اور آنسو پورے تواتر سے مسز صباحت مرزا کے گالوں پر پھسلتے رہتے۔ کبھی دھیرے سے کسی چرچراہٹ کی آواز نے موت جیسی خاموشی کو توڑا۔ دروازہ کھلا کوئی آکر بیٹھا تو انہوں نے دونوں ہاتھوں کی سرد پڑتی ہوئی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑ رگڑ کر صاف کر ڈالیں اور مڑ کر بے آواز قدموں سے چلتی اس کے پاس آ بیٹھیں "ممی آپ پھر رو رہی ہیں آپ اس وقت "بنتِ حوا" انٹرنیشنل این جی او کی باحوصلہ بہادر اور مقرر عورت تو بالکل نہیں لگ رہی ہیں جس کا ایک ایک لفظ دوسروں کی زندگی بدل دیتا ہے"۔ اُن کی پیاری سی بیٹی شیزا نے آج پہلی بار احتجاجی اُلجھے سے انداز میں پوچھا ورنہ وہ دونوں کب ایک دوسرے کی تنہائی شیئر کرتی تھیں۔ وہ دونوں تو شیزا کے بچپن سے لے کر آج تک بہادری، بہادری کا ڈرامہ کرتی آ رہی تھیں لیکن شیزا نے بارہا انہیں چھپ چھپ کے روتے دیکھا تھا مسز صباحت نے نگاہ بھر کر دیکھا اُن کی شیزا دھیرے دھیرے بدلتی جا رہی تھی وہ اکثر اس قدر اُلجھی ہوتی کہ لگتا اس کے لفظوں اور سوچوں میں توازن ہی نہ رہا ہو۔ وہ اپنے ہی موقف سے لڑ رہی ہو۔ جب عورتوں کو سمجھا رہی ہوتی کہ عورت مرد کے بغیر زیادہ آزاد پُر اعتماد اور خوش زندگی گزار سکتی ہے "مرد آپ سے جتنی بھی محبت کرتا ہو وہ کبھی بھی آپ کو اپنے برابر کا انسان ہونے کا درجہ نہیں دے سکتا۔ اگر وہ آپ کو اپنے برابر کا انسان سمجھ لے تو اس کا گھر کون سنبھالے، برتن، صفائیاں، جوتے پالش، کپڑے استری اور خوش مزاج تفریح پانے کیلئے وہ صرف عورت کو محبت کا جھانسہ دیتا ہے محبت نہیں کرتا" مگر کچھ گڑبڑ ہوئی کہ اسے لگا یہ سارے الفاظ اس کے نہیں ممی جی کے ہیں وہ تو بچپن سے سنتی آئی ہے ناں اس لئے اسے حرف بحرف ازبر ہیں۔ "ممی آپ پپا کے ساتھ خوش تھیں یا ان کے بغیر ۔۔۔۔۔ ان کے بعد کی ساری زندگی ۔۔۔۔۔" سناٹے کو پھر شیزا کی آواز نے توڑا تو مسز صباحت چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ انہیں عجیب سے احساس نے آ گھیرا، یوں جیسے آج ان کا احتساب ہو رہا ہو۔

وہ اُٹھی اور دھیرے دھیرے چلتے شیزا کے پاس صوفے پہ آ بیٹھی تو شیزا حسبِ عادت اُن کی گود میں دراز ہو گئی۔ مسکراہٹ نے بے اختیار مسز صباحت کے لبوں کو چھوا وہ اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے پرسوچ سے انداز میں بولیں اور شاید شیزا کی سمجھ کے دور میں پہلا سچ "تمہارے پپا اور میں نے بہت خوبصورت وقت گزارا ہے اتنی محبت تو شاید کسی نے بھی نہ کی ہوگی جتنی ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کی"۔ وہ سانس لینے کو رکیں اور شیزا کے دل کی دھڑکنیں منتظر ہونے لگیں۔

"کبھی ایاز کو لگتا میری محبت بہت شدید ہے بالکل غیر فطری حد تک شدید، تو وہ بھی میری زیادہ کیئر کرنے لگتا جو رگ رگ میں محبت بن کر اترتی لگتی اور گزرتے ہر دن میں ہم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جذبے سے اپنے جیون کو خوش رنگ کرتے جاتے اور شیزا تب ہمارے ساتھ ایاز کے بابا اور بی جی بھی تھیں۔ گھر میں نوکر چاکر بھی اتنے نہیں تھے میں تمہارے پپا کے کپڑے خود پریس کرتی، کھانا اپنے ہاتھوں اور دل کی بہت خواہش سے خود بناتی۔

ان کے کپڑوں کے پاس رومال، پرس، عینک، موبائل ان کا بریف کیس اور تمام کام خود بھاگ بھاگ کر کرتی رہتی عجیب مستی مجھ کو اُڑائے پھرتی۔ میں چائے کا کپ لئے کتنی کتنی دیر کھڑی رہتی ایاز کے پورے تیار ہونے تک میں چائے لئے کھڑی رہتی وہ ادھر اُدھر آتے جاتے سپ لیتے رہتے اور چائے ختم ہو جاتی۔

"لیکن ممی جی! یہ تو بے وجہ کی نوکری ہوئی ناں اگلے کی عادتیں خراب کرنے والی، یہ محبت تو نہیں"۔ شیزا نے احتجاج کیا

اس کے اندر کی عورت نے ماں کو "بنتِ حوا" بنتے دیکھ کر کمزوری آواز اُٹھائی تو مسز صباحت کی مسلسل نم آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کے گالوں پہ آ گرے۔

"یہ محبت ہی ہے شیزا جو ہم کو بے دام غلام بنا دیتی ہے ایاز تو نہیں کہتے تھے مجھے یہ سب کرنے کو میں خود کرتی تھی صرف اس آخری بوسے کیلئے جو وہ نکلتے نکلتے میرے ماتھے پر کر جاتے تھے"۔ وہ سسک پڑیں کچھ پل صرف سسکیاں ماحول میں ارتعاش پھیلاتی رہیں۔

"ایاز چلے جاتے اور مجھ میں جیسے بجلی بھر جاتی، میں خوشی خوشی چیزیں سمیٹتی پھرتی، بابا خان اور بی جی کی خدمتیں کرتی اُن کے پاس بیٹھ کے ایاز کے بچپن کی شرارتوں کے قصے سنتی وقت اُڑ رہا تھا مگر مجھے لگتا روز ایک سے صبح و شام ہیں۔ میں نا میکے جاتی نہ دوستوں میں وقت بتانے کو سن کرتا ایم اے کی ڈگری کہیں رکھ کر بھول گئی میں گھر سنوارتی۔ ایاز کو سوچتی اس سے ریلیٹڈ ہر چیز سے محبت کرتی۔ محبت میرے پور پور سے

پھوپھو نے مجھے سجا کر سنوار کر چلی جاتی پھر میری گود میں تمہارا ننھا وجود آ گیا اور میری محبت کے خزانوں کو ایک اور رشتہ مل گیا نچھاور ہونے کیلئے کمی تو کہیں تھی ہی نہیں۔ پھر بابا جان فوت ہوئے تو گھر میں سوگواریت دنوں تک جا گزیں رہی۔

بی جی اور ایاز کے ساتھ ساتھ میں بھی تو دکھی تھی بہت زیادہ میں ایاز کو سنبھالتی کبھی بی جی کو مگر شیزا...... بی جی اس غم سے سنبھل ہی نہیں سکیں وہ روتی ہی رہیں۔

بابا جان کا بستر درست کرتیں بھیگتی آنکھوں سے ان کے کپڑے دھلا دھلا کر الماریوں میں لگاتیں۔

کتنوں قرآن پاک پڑھ پڑھ کر انہیں بخشتی ان کے حصے کا کھانا پہلے نوکروں کو کھلاتیں اور پھر روتے روتے چند ہی دن میں ان کے پیچھے چلی گئیں۔ جدائی سہہ ہی نہ پائیں اور میں تو جیسے ایک دم تپتے صحرا میں آ گئی۔ بالکل اکیلی رہ گئی ایاز سے مجھے محبت تھی بہت محبت، تبھی تو اسکے غم میں میں بھی نڈھال ہو گئی۔ مہینوں لگے ہمیں زندگی کی روٹین میں واپس آتے۔ ہماری پھول سی بچی بھی کملا کر رہ گئی۔ اب گھر میں دادی اور دادو کی محبتیں نہیں تھیں تم رو رو کر دادو، دادی کو بلاتی رہتی"۔

"ممی جی کتنا مشکل ہے ناں اپنوں کو خود سے دور کرنا، انہیں بھول جانا" شیزا نے بھی اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔

"ہاں اپنوں سے دور ہونا تو بالکل غیر فطری ہی لگتا ہے بندہ جیتے جی سوچ ہی نہیں سکتا کہ کسی بہت اپنے کو چھوڑ کر چلا جائے اور آرام سے جی بھی سکے لیکن ایاز ایسا کر رہے تھے....."

صباحت ایک لمحے کو رکیں شیزا واپس اُن کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ صباحت شیزا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے پھیرتے واپس ماضی میں پہنچ گئی۔

"ایاز دھیرے دھیرے ہم دونوں سے دور ہو رہے تھے میں مہینوں تک اُن کے انداز کو بابا اور بی جی کی وفات کے صدمے سے جوڑتی رہی مگر وہ....."

"ممی جی وہ کون تھی" کیا اسکی محبت آپکی شدتیں بھلا دینے کیلئے کافی تھی اتنی طاقتور کہ میری معصوم کلکاریاں بھی پاپا کو روک نہیں پائیں"۔ شیزا تڑپ کر بولی۔

"نہیں جانو جب مرد کی توجہ بدلتی ہیں ناں تو وہ دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقے سے کٹتا جاتا ہے اور اندر ہی اندر اپنے دفاع کیلئے دوسروں پر بہت سے الزامات بھی تیار کر لیتا ہے۔"

مرد کبھی خود کو تو مورد الزام ٹھہراتا ہی نہیں۔ میں ویسی ہی محبت اور دلگی سے ایاز کے گرد منڈلاتی پھرتی تھی بھی ایک روز ایاز کا بریف کیس رکھتے ہوئے گر گیا اور کھل کر سب کاغذات پھیل گئے میں ڈرتے ڈرتے سمیٹنے لگی ایاز باتھ روم میں تھے اور پھر میرے ہاتھوں نے ایک سرخ مخملی ڈبیا کو چھوا جیسے سانپ کو چھو لیا ہو میں متضاد کیفیتوں میں گھر گئی "شاید میرے لئے" کہتے ہوئے میں نے اسے کھولا تو وہ خالی تھی اور مجھے لگا میرا دل بھی ایک دم خالی ہو گیا ہے۔ بنجر ویران،

پھر میرے کانپتے ہاتھوں میں نکاح نامہ تھا نورین اظہر اور ایاز بیگ کا نکاح نامہ

اور ہم ـــــ میں اور تم کون تھے؟ اس وقت صرف بیوقوف تماشائی اب میرے اندر سناٹوں کے جھکڑ چل رہے تھے ایاز کی محبت تھی نہ حالات کا ڈر، میں نے کچھ بھی سمیٹا نہیں اسی طرح سب چیزیں لئے بیٹھی رہی شزو تب تو میں پتھر ہو گئی ناں میری آنکھیں بھیگی نا لفظوں اور سوالوں جوابوں نے شور مچایا۔ کچھ بھی نہیں دور دور تک کچھ بھی نہیں تھا پوچھنے کیلئے رونے کیلئے ایاز کو غلط یا صحیح ثابت کرنے کا کوئی جذبہ ہی نہیں تھا بس بنت حوا کی موت کیا ہوئی۔

میں اٹھی تمہیں اٹھایا چند کپڑے بیگ میں ڈالے اور مرے مرے قدموں سے گھر کی دہلیز کو پار کر آئی مڑ کے دیکھا تک نہیں کہ وہاں قدم قدم پہ میری محبت بین کر رہی تھی سسک رہی تھی"۔

"کیا پاپا نے ہمیں ڈھونڈا ہی نہیں ہمیں واپس لانے کی کوشش ہی نہیں کی" شیزا دکھ سے بولی۔

"بہت کوشش کی بہت صفائیاں پیش کی بہت بولے لیکن مجھے صرف ایاز کے اور اس کے بھائی بھابیوں کے ہلتے ہوئے ہونٹ دکھائی دیتے تھے لفظ سنائی نہیں دیتے تھے اور جب کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا تو سمجھ کیا آتی؟ میں ذرا بھی روئی نہیں تھی اگر روتی تو پھر آنسو پونچھنے کے بہانے کوئی مجھے تسلی دیتا سمجھاتا اور میں کیا سمجھتی

شیزا اپنی جنت شیئر کرنے کی سمجھ بھی آتی ہے بھلا؟

"تو نو مام بالکل بھی نہیں"۔

کوئی اپنی پوری مردانہ وجاہتوں سے شیزا کی آنکھوں میں اتر آیا تو وہ اور بھی زور سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"نہیں ماما! اپنی جنت تو شیئر کی ہی نہیں جا سکتی" وہ بڑبڑائی۔

"پھر میں نے ایاز کی محبتوں کو اپنے اندر مرتے دیکھا تڑپ تڑپ کے مرتے دیکھا اور نفرتیں سیلابوں کی طرح اُمڈتی چلی آئیں تبھی میں نے اپنی این جی او "بنت حوا" کی بنیاد رکھی۔

ابا نے مجھے بہت سپورٹ کیا سوشلی اور فنانشلی ہر طرح سے راستے کھلتے گئے

میرے جیسی بہت سی زخمی شیرنیاں ملتی گئیں اور پورا جنگل بن گیا

۔"ریگزاروں جیسی زندگی والی بظاہر بہادر عورتیں"

"پاپا پھر کبھی ہماری زندگی میں نہیں آئے"۔

کوشش تو کرتے تھے مگر ہم دونوں کو اب اُن سے محبت نہیں تھی ناں اور محبت ہی تو پور پور کو کان بنا دیتی ہے

"ہمیں کب سنائی دیتی تھیں دستکیں، میں چپ رہتی اور تم چیخ چیخ کر کہتی "گندے پاپا! ہم آپ سے نفرت کرتے ہیں آپ نے ہمارے گھر میں کسی اور کو بٹھا دیا ہمارے کھلونے، کپڑے، دادو، دادی کی یادیں سب ختم کر دیا۔"

"ممی جی آپ کبھی بھی معاف نہیں کر سکیں اُن کو"

"نہیں جان کر دیا معاف، مگر محبت میں معافی ایک فریق کا سر مانگتی ہے جان کی قربانی اور وہ ایاز نے دی"

''ممی جی'' شیزا حیرت سے چلائی اور سیدھی ہو بیٹھی ''ہاں'' انہوں نے شیزا کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لئے اور بے آواز روتی رہیں دیر تک شیزا نے روکا بھی نہیں' جب میں زور و شور سے اپنی این جی او کی تشکیل کر رہی تھی بہت سی ملک کی نامور عورتیں میرے ساتھ تھیں اور ہم نامور عورتیں ملک کے نامور سیاستدانوں اور سرمایہ داروں سے اپنی این جی اوز کے فروغ کیلئے عورتوں کی دکھ بھری کہانیاں سنا کر پیسا اکٹھا کر رہی تھیں جب میں کسی عورت کو اپنا گھر چھوڑنے، اپنا شوہر چھوڑنے کا مشورہ دیتی تو مجھے لگتا میں ایاز سے بدلہ لے رہی ہوں میں ایاز کے برابر آ گئی ہوں اس سے بدلہ لینے کی ناصرف مجھ میں طاقت آ گئی ہے بلکہ وہ تڑپ بھی رہا تھا یعنی میری کوشش کامیاب ہو گئی تھی پھر وہ ایک دن چلا آیا۔

ایک بار پھر مجھے سمجھانے' اب کی بار مجھے اس کے لفظ سنائی دے رہے تھے۔ شاید میں اسکی بے بسی کا مزہ لینا چاہ رہی تھی۔

''صباحت تم یہ سب نہیں کرو یہ سب بہت غلط ہے خاندان کا نام خراب ہو رہا ہے'' وہ منمنایا۔

''تو تم اپنے نام کو بچانے آئے ہو؟'' میں دھاڑی۔

''نہیں صبا میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں میں نہیں دیکھ سکتا تمہیں دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بنتے' اور میری بیٹی''۔

''تو تمہیں میرے اور اپنی بیٹی کے کردار کی فکر ہے'' میں پوری قوت سے چلائی۔

''ایاز بیگ تمہیں ہمارے احساسات کی فکر نہیں تھی اس محبت کی فکر نہیں تھی جو میں نے تم سے کی۔ اتنی بے تحاشہ کہ کسی پیمانے میں سماتی ہی نہیں اور آج تم چلے آئے ہمارے کردار کی فکر کرنے' نفرت ہے' ہمیں تم سے تمہاری سوچ سے تمہارے وجود سے تمہاری اس فکر سے سخت نفرت ہے۔

''ایاز بیگ چلے جاؤ اور آئندہ کبھی ہماری زندگی میں نہ آنا''

میں زور زور سے چلا رہی تھی اور وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

''صبا مجھے تم سے محبت ہے، بہت محبت مجھے میری بچی کی ضرورت ہے' صبا مجھے معاف کر دو وہ میری تقدیر میں تھا' جانے کیا سمائی میرے ذہن میں نورین اور میں نیٹ کے ذریعے ملے تھے' عہد و پیمان کرتے رہے میں نے اُسے ہماری شادی کے متعلق نہیں بتایا تھا اور جب اس نے مجھے پرپوز کیا تو میرے اندر کے شیطان نے مجھے سمجھایا کہ کبھی کسی کو پتا ہی نہیں چلے گا اگر میں نورین سے شادی کر لوں اور صبا تم بھی ان دنوں مجھ پہ توجہ نہیں دے رہی تھی۔ امی ابا کا غم ہی گھر میں بچھا کر بیٹھ گئی تھی یا پھر ساری محبت شیزا پہ لٹانے لگی تھی۔''

''ایاز جاؤ، جاؤ تم'' میں زور سے چلائی''۔

''صبا مجھے معاف کر دو پلیز نورین بہت حساس تھی اسے تم لوگوں کی بددعاؤں کا غم اندر ہی اندر کھا رہا تھا اور شاید وہ ڈرتی تھی بددعاؤں سے تبھی تو بددعا ئیں لگ گئی ہیں' صبا اس نے میرے مردہ بیٹے کو جنم دیا اور خود بھی مر گئی' صبا تمہارا گھر خالی ویران پڑا ہے' تمہیں چیخ چیخ کر بلاتا ہے چلو صبا مجھے معاف کر دو ہم اپنی زندگی پھر سے شروع کرتے ہیں''۔

''چلو'' اس نے ہاتھ بڑھایا تو جیسے مجھ پر جنون سوار ہو گیا۔ میں پہلی بار چیخ چیخ کر روئی۔ ''آئی ہیٹ یو ایاز آئی جسٹ ہیٹ یو''۔

''میرے اندر دوسری کوئی فیلنگ نہیں تم جاؤ یہاں سے'' اور وہ جانے کیلئے مڑ گیا میں پھر چلائی۔

''اور تمہارا گھر ہمیں نہیں بلاتا ایاز غور کرو تو وہ اور اس کے در و دیوار سوگ کرتے ہیں' روتے ہیں اپنے مکینوں کیلئے بی جان اور بابا مر گئے' صباحت اور شیزا کی لاشیں' نورین اور تمہارے بیٹے کی لاشیں دیکھ دیکھ کر در و دیوار چلاتے ہیں۔ تم جاؤ اور مرو اپنی تنہائیوں میں''۔

''پھر جب تم دس سال کی تھی تو سنا وہ مر گیا'' واقعی اپنی تنہائیوں میں'' شیزا اور صباحت مرزا بالکل دو عام عورتوں کی طرح گلے لگ کر روتی رہیں۔

''پھر میں نے ایاز کو معاف کر دیا اور شیزا مجھے لگا میں جو بولتی ہوں عورتوں میں مرد کے خلاف جو نفرت ڈھیروں ڈھیر بو رہی ہوں وہ غلط ہے' میرے تو اپنے اندر اپنے مرد کے لئے نفرت ہے ہی نہیں، میں تو آج بھی ایاز سے شدید محبت کرتی ہوں وہ تو آج بھی ہر لمحہ میرے ساتھ ہے' لیکن بس موت ہی معافی کروا سکتی ہے ورنہ ہم بہت کم ظرف ہیں' میں نے ایاز کو معاف تو کر دیا اور دل سے چاہتی تھی تم بھی معاف کر دو۔''

''میں نے بار ہا سوچا ہم اپنے رولز اینڈ ریگولیشنز بدل لیتے ہیں۔ ہم اپنی این جی او کے ذریعے دوسروں کو معاف کر دینے کی ترغیب دیں' معافی کے لئے موت کا انتظار کرنے کی بجائے زندہ انسانوں کو معاف کرنے کا حوصلہ پیدا کروائیں''

''مگر شیزا۔۔۔''

''ممی ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے لوگ ہمیں جھوٹا سمجھیں گے اس ڈر سے؟''

''ہاں شاید'' صباحت کمزور سے لہجے میں بولیں اور اٹھ کر بیڈ پہ جا لیٹیں۔

شیزا نے اُن پر کمبل درست کر دیا اور ماتھے پہ پیار کیا۔ ''ممی جی آپ کو پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے بس ذرا سی جرأت کریں منافقت کے ساتھ کیا جینا اور محبت کرنے والوں کیلئے یہ زندگی بہت ہی چھوٹی ہے یہ آپ سے ہی تو سیکھا ہے میں نے'' شیزا لائٹ بند کر کے نکل آئی اور اُسے محسوس ہو رہا تھا وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی ہے۔

سارے راستے جیسے روشن ہو گئے صاف منزلیں دکھائی دے رہی تھیں۔

پچھلے ایک سال سے وہ خود سے اُلجھ رہی تھی۔

جب وہ اپنے این جی او فنکشن میں بلال بخاری اور ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ضلال بخاری سے ملی تھی ممی نے بتایا یہ ''بخاری گرافکس'' کے ایم ڈی ہیں۔

''بلال بخاری اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے ضلال بخاری' یہ ابھی حال ہی میں انجینئرنگ کر کے امریکا سے لوٹے ہیں اور اب اپنے پاپا کے ساتھ مل کر ہمارے ملک میں خوبصورت بلڈنگز کا جال بچھا دینا چاہتے ہیں۔''

"ہائے میں شیزا" میں نے ہاتھ بڑھایا۔

اور مجھے لگا میرا ہاتھ ضلال بخاری کے ہاتھ میں ہلکا سا کانپا ہے اور یہ کیا اس نے نگاہ بھر کے دیکھا تو میرا دل "او مائی گاڈ" پہلی بار احساس ہوا میرے پاس دل بھی ہے" وہ زیر لب مسکرائی وہ لان میں بنے تنگی بنچ پر بیٹھی تھی خنکی بہت بڑھ رہی تھی اور رات بھی گزرتی چلی جا رہی تھی وہ دھیرے دھیرے دل کو آزادی دینے لگی تو اسے احساس ہوا وہ تو بہت ہی خود سر اور باغی ہے۔

نجانے کب سے پھڑ پھڑا رہا ہے شیزا بیگ کے ایک اعتراف کیلئے۔ وہ بار ہا ملے تھے فنکشنز میں، پارٹیز میں ایک بار جاپان جاتے ہوئے پلین میں سارا سفر جیسے ایک لمحہ بن کے دل میں سما گیا تھا۔

اُسے صاف محسوس ہوتا تھا ضلال بخاری اس سے محبت کرنے لگا ہے مگر اس کے نظریات کی وجہ سے بات کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔

"میں مرد یا عورت، برابری یا غلامی کی بات نہیں کرتا شیزا میں تو سمجھتا ہوں محبت ہے جو لوگوں کو ملاتی ہے۔ ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ زندگی میں انقلاب ہی تو آ جاتا ہے سب کچھ بدل جاتا ہے سب کچھ نظریات، احساسات، ترجیحات، ایوری تھنگ"۔

"آپ نے کسی سے محبت کی؟" شیزا نے اس کے چہرے پہ نظریں جما کر کہا اور جب اس نے آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر ایک جذب سے کہا۔ "ہاں کر رہا ہوں" تو شیزا پوچھ ہی نہ پائی کس سے؟ ضلال بخاری کی آئینہ سی آنکھوں میں صاف تو لکھا تھا "صرف تم سے"

اور دل بدتمیز دھمالیں ڈال رہا تھا۔ پھر شیزا نے بہت سنجیدگی سے دل کے ساتھ کئی میٹنگز کیں اسے سمجھایا میں مرد سے محبت کر کے اس کی غلامی ہرگز نہیں کر سکتی"۔

"مگر یہ تو کہہ رہی ہے محبت بے اختیاری ہے۔ پور پور سے پھوٹتی ہے اور سارے وجود پہ چھا جاتی ہے۔ مقابل کے سائے سے بھی محبت ہو جاتی ہے"۔

شیزا نے جاگرز سے پاؤں نکال کر ٹھنڈی یخ گھاس پہ رکھے سردی رگ رگ میں اترنے لگی اور پھر وہ ٹھٹھرتی سے اٹھی جوتے پہنے اور کمرے میں چلی آئی۔ موبائل اٹھا کر ضلال بخاری کا نمبر ملاتے ہوئے مسکرائے جا رہی تھی۔

"شیزا اس وقت، سب ٹھیک تو ہے؟" ضلال حیرت سے بولا آواز میں گہری نیند کا عنصر تھا۔

"اگر ٹھیک نہ ہو تو؟ شیزا نے شرارت کی"

"پلیز بتاؤ؟"

"آئی ایم ٹھیک ہیں ناں؟"

"اگر ٹھیک ناں ہوں اور تمہیں تمہاری ضرورت ہو تو؟"

"تو میں آ تا ہوں شیزا ابھی" وہ بولا اور شیزا کو لگا وہ بستر سے اُٹھا بھی۔

"یہ پوچھے بغیر کہ کیا وجہ ہے؟ چلے آؤ گے؟"

"شیزا" میری جان تم رات کے اس پہر بھری دنیا میں صرف مجھے ہی یاد کرو میں وہ شخص ہوں جس کی تم ضرورت محسوس کرو تو میں تم سے وجہ پوچھنے بیٹھ جاؤں گا؟" تم تو بالکل پاگل ہو"۔

شیزا بت بن گئی بول ہی نہیں پائی "تم ذرا بھی پریشان نا ہونا مجھ سے بات کرتی رہو میں پہنچتا ہوں بس" وہ بہت کچھ کہہ رہا تھا

"شیزا آئی نو تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی میں یا پھر اس سے بھی زیادہ، تبھی تو تمہارے نظریات اور مرد کے خلاف جھوٹی نفرت نے دم توڑ دیا"۔

"تم زیادہ سے زیادہ میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟" وہ ہچکچائی....

"جان دینے کا وعدہ نہیں کرتا" وہ جان بوجھ کے رُکا تو شیزا کو لگا کائنات کا ذرہ ذرہ اسٹیچو بن گیا "مگر تم مانگو تو جان دے سکتا ہوں بالکل۔" وہ بولا اور ساری کائنات جھلملا اٹھی۔

"اگر میں نکاح میں بے وفائی کی سزا لکھوانا چاہوں تو......؟"

"تو" وہ ہنسنے لگا پھر کھلکھلا کر ہنستے ہنستے بولا "تو میری جان میرا سر قلم کر دینا"

ضلال کو اس سے شیزا ان سکیور ہی بچی تھی اور شیزا کو ایک دم زندگی کے مکمل ہونے کا احساس ہوا۔

"انسان اپنا آئندہ وقت برا ہونے کے وہم میں اپنا اچھا اور خوبصورت وقت برباد کیوں کرے؟"۔ وہ بڑبڑائی۔

ضلال نے حیرت سے موبائل کو دیکھا۔

"کیا سمجھوں اسے...." وہ بولا شیزا کا فیصلہ سننے کو پور پور ہمہ تن گوش تھا دھڑکنیں تو گویا ایک سے کو تھم ہی گئیں۔

"اچھا میں فون بند کرتی ہوں" شیزا کی پلکیں بے وجہ بوجھل ہوتی جا رہی تھیں جیسے وہ سامنے ہو"۔

"کیا سمجھوں میں شیزا؟"

پلیز کچھ تو کہو ناں میری جان محبت ہار ہوتی ہے مگر یہ جیت جاتی ہے" "کچھ تو کہو؟" ضلال بے چین تھا۔

"ضلال مجھے بہت کام کرنا ہے سب طے کر کے اُٹھنا ہے صبح اپنی این جی اوز کو سمجھانا ہے کہ۔

بنت حوا کو کب سکوں ہے اپنے آدم کے بغیر
جگ میں جینا محال ہے اسکی چاہت کے بغیر

وہ دھیرے سے بولی اور زندگی گنگنا اٹھی۔

''شیز آئی لو یو آئی لو یو'' ہلال کی آواز اسکی رگ رگ سے سرد کی نفرت دھو رہی تھی۔ اس نے موبائل آف کر دیا۔

محبت کنگن بیلے کا

وہ مجھ کو پہنانے آ پہنچا

وہ جھومتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔

☆☆☆☆

انشورنس

''عجب خوف و ہراس کی فضا ہے فصیح! دل چاہتا ہے اپنے بچوں کو گھر سے ہی نہ نکالوں بس سینے کے ساتھ بھینچ کے رکھوں اپنے جگر گوشوں کو'' ثمر نے لرزتی آواز میں کہا تو فصیح سپاٹ چہرہ لئے اسے دیکھتا رہا۔ ''فصیح ان لوگوں کو ترس نہیں آتا، کتنے معصوم لوگ ان کی ضد اور خود غرضی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔'' ''ہو سکتا ہے مجبوری ہو'' وہ کھوئی ہوئی سی آواز میں بولا ''فصیح'' ثمر چیخ ہی تو پڑی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب چلی آئی۔

''فصیح یہ نفرت ہے، تباہی ہے'' ''مجبوری بھی تو ہو سکتی ہے جانو، محبت کی مجبوری'' ''فصیح آر یو میڈ؟'' وہ پھر چلائی تو فصیح نے اس کے سرد ہاتھوں کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا مگر وہ تو تڑپ کر پیچھے ہٹی اور رونے لگی، وہ ہمارے بچے ہیں فصیح، ہمارے بھائی، باپ بہنیں، مائیں ہمارے اپنے، ہر فرد مضطرب ہے ایسے لگتا ہے جو باہر جائے گا وہ یقیناً لوٹ کر نہیں آئے گا۔ بچوں کو بھیجتی ہوں نا سکول تو دن بھر تڑپتی ہوں فصیح کہیں ہلکی سی آہٹ بھی ہو جائے تو دل نکل کر پسلیوں سے باہر آنے لگتا ہے''۔

''یا اللہ میرے فصیح کی خیر ہو، میرے بچوں کی خیر ہو، دروازے تک پہنچتی سو بار مرتی ہوں اور تم انہیں حق بجانب کہتے ہو'' وہ روتے روتے بول رہی تھی اور فصیح چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

''ثمر میں بخدا دہشت گردوں کو حق بجانب نہیں کہہ رہا میری جان مگر وہ جو اپنی چھاتی پر بم باندھ کے آتا ہے وہ غربت کے ہاتھوں مجبور ہو سکتا ہے، اس کے اس فعل کے بدلے میں اس کی فیملی کے حالات بدل جاتے ہوں، ہو سکتا ہے اس کی سات جوان بہنیں ہوں، ہو سکتا ہے بچے بیمار ہوں، ہو سکتا ہے ثمر وہ کسی بہت بڑے درد کا بدلہ لے رہا ہو''

''فصیح پلیز، کسی بھی صورت اس کو ہزاروں جانیں اپنے ساتھ ختم کرنے کا کوئی حق نہیں'' ثمر نے بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے فصیح کو گھورا، چند لمحے خاموشی چھائی رہی نجانے کیوں فصیح کے پاس الفاظ ہی ختم ہو گئے اور ثمر کلستی رہی پھر پھنکار کر بولی۔ ''اگر وہ اتنا ہی مجبور اور لاچار ہے اپنوں کے درد ختم کرنے کی مثبت کوشش نہیں کر سکتا تو خودکشی کر لے کسی کے مر جانے سے زندگی نہیں رکتی فصیح احمد پچھلے خود ہی پل جاتے ہیں مگر کسی خودکش بمبار کے رشتہ دار ہونے کے احساس سے وہ جی نہیں پاتے، سر تک نہیں اٹھا پاتے، اپنے پیارے بچے یا بھائی کی جدائی اور احساس جرم انہیں خودکش حملے کے بدلے میں ملی ہوئی دولت انجوائے نہیں کرنے دیتا۔ فصیح تم نیگیٹو کیوں ہو رہے ہو'' وہ اس کو جھنجھوڑ کر بولی تو وہ اس کے شانے پر سر رکھ کے رو دیا۔

''ثمر میں بہت ڈسٹرب ہوں، میں تو صرف غربت کے ہاتھوں پیدا ہونے والے جرائم کی بات کر رہا ہوں میری جان میں کیسے ظلم کا ساتھ دے سکتا ہوں میں تو صرف اپنی پیاری سی فیملی کو ذرا ذرا سی ضرورتوں کیلئے تڑپتا سسکتا دیکھ کر پریشان ہوں تم یقین کرو میں زندگی کو آسان کرنے کی تگ و دو میں ہلکان ہو رہا ہوں، اعصابی طور پر نڈھال ہوتا جا رہا ہوں ثمر''

''تم تم نے کبھی میری تحریم، عمر، عذیر کے پیلے چہرے اور کمزور جسم دیکھے ہیں۔ ان کے بوسیدہ کپڑے جو تمہاری شدید کوششوں سے بس صاف رہتے ہیں اور تحریم جو رات بھر ناکھ کلاس کے حبس سے لڑتی ہوتی ہے میں کیسا باپ ہوں ثمر ایک ٹیوشن تک نہیں رکھ کے دے سکتا اور عذیر اسے اپینڈکس کا درد ہوتا ہے تو ثمر ہم سب مرتے ہیں مگر ایک چھوٹا سا آپریشن نہیں کروا سکتے اور عمر''

''اس کی آئی سائیٹ دن بدن ویک ہوتی جا رہی ہے ایک عینک تک تو ہم افورڈ نہیں کرتے، وہ ہارتے ہوئے انداز میں بول رہا تھا اور ثمر کا پورا وجود کانپ رہا تھا وہ کتنی بے رحمی سے سب حقیقتیں بے نقاب کر رہا تھا، پھر پیچھے ہٹ کر ذرا سی سانس ہموار کی اور اپنے ہاتھوں سے ثمر کے الجھے، بکھرے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت ہی شکستہ انداز میں بولا ثمر یہ خواب تو ہم نے نہیں دیکھے تھے، تمہیں یاد ہے کہ کیمپس کے سرسبز، خوشنما منظر میں ہم گھنٹوں بیٹھے خوبصورت سپنوں کی جنت میں گم رہتے تھے ثمر ایک پوری جنت تھی جو ہم نے وہاں بیٹھ کر تشکیل کی تھی لمحہ لمحہ پورے خلوص اور جوش و جذبے سے، کتنی قوت کتنی خوشی تھی ہمارے اندر دنیا کو تسخیر کر لینے کی اور اور''

ہماری محبت جیت بھی تو گئی فصیح سارے رسم و رواجوں کی نفی کر کے ہم نے ایک دوسرے کو پا بھی تو لیا مجھے تمہارے وجود میں پناہ مل گئی تم پل پل نظر کے سامنے ہو اس سے بڑھ کر کیا ہو فصیح، ہمارے پیارے سے بچے ہماری محبت کی خوبصورتی اور زندگی کا ثبوت، اس کے آگے سب ہار گئے سب کچھ''

''نہیں ثمر نہیں'' فصیح نے اس کی ناک کو بہت ہی پیار سے دبایا۔

''ہار تم ہم بھی گئے ثمر جیت کر بھی ہار گئے ہمارے خواب ریزہ ریزہ ہونے کو ہیں، ہماری جنت پر غربت کی سیاہ کالی رات ہے، ثمر تم یقین کرو میں نے ایک ایک لمحہ کوشش کی کہ تم لوگوں کو بہترین زندگی دے سکوں، تمہارے سامنے ہے سب کچھ اوور ٹائم بھی کرتا ہوں وہ سارا وقت ثمر جو ہماری پلاننگ کے مطابق ہمارے گھومنے پھرنے، رشتہ داروں کو منانے، اپنے شہزادوں کو پر آسائش زندگی دینے اور ایک دوسرے کو ٹوٹ کر پیار کرنے کا وقت تھا جو ہم نے اس مینجمنٹ کی نظر کر دیا پھر بھی کچھ نتیجہ نہیں کچھ بھی نہیں، اس کا ہر ہر لفظ رو دیا تو ثمر نے پیار سے اس کی آنکھوں کو صاف کیا اپنے آنچل کے کونے سے اور بہت پیار سے بولی فصیح اس قدر دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہم ساتھ تو ہیں ناں اور ہماری محبت پر حالات اثر انداز نہیں ہو سکتے''

''محبت'' فصیح استہزائیہ انداز میں بولا اور اٹھ کر ادھر ادھر چلنے لگا۔

''محبت سارے حالات کے نیچے دب گئی ہے ثمر تم مجھے دلاسے مت دو کتنے سال ہو گئے ہمیں حالات کو بہتر کرنے کیلئے بھاگتے دوڑتے محنت کرتے'' ثمر کتنے سال ہو گئے ہمیں پوری سچائی سے صرف محبت کئے، ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھے، آئی لو یو بولے ثمر تمہیں یاد ہے تمہاری ہنسی کا دیوانہ تھا میں۔ لگتا تھا تمہارے قہقہے سے وقت کی گردش تھم جاتی ہے اور اب'' وہ رکا ثمر نے انگلی سے آنسو پونچھا جو نوک مژگاں پر دھیرے سے آ ٹھہرا تھا۔

''کتنے سال ہو گئے ثمر تمہیں کھل کے ہنسے ہوئے'' وہ پاس چلا آیا تو ثمر اٹھ کے اسکی بانہوں میں سما گئی ''فصیح میں خوش ہوں، مجھے تمہاری ضرورت تھی تم ہو اور میرے بچے، میری جنت، فصیح میں حالات کی تنگدستی سے نہیں گھبرا رہی ہوں میں تو بگڑی حالات سے ان سیکیور ہوں تم لوگوں کی زندگیوں کیلئے پریشان ہوں'' وہ پیچھے ہٹی اور چیزیں سمیٹتے ہوئے پھر بولنے لگی، بس کرو اور سو جاؤ آج کیلئے اتنا اظہار محبت کافی ہے، میں ذرا بچوں کو دیکھوں، دروازوں وغیرہ کو نظر مار آؤں'' وہ چلی گئی مگر فصیح بیڈ پر ڈھے سا گیا وہ اپنی اور ثمر کی محنت کا حساب کرتے کرتے تھک جاتا تھا اسے ہر وقت یاد رہتا جب انہوں نے یونیورسٹی کے بعد کورٹ میرج کر لی تھی تو دونوں کے خاندانوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تب وہ بہت اپ سیٹ تھے بالکل خالی ہاتھ تھے مگر دل محبت کے نشے سے مخمور تھا انس میں جیت ہی جیت۔

فصیح جاب کیلئے کوشش کر رہا تھا ثمر نے ایک اکیڈمی میں جاب کر لی ایڈ اے بڑھ دو ماہ وہ لوگ فصیح کے ایک دوست کے گھر رہے لوگوں کے رویے اور زندگی کی بے رحمی تو تبھی نظر آنے لگی، پھر فصیح کو ایک اخبار میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر جاب مل گئی یہ بھی بہت تھا، اس کے پاس تجربہ تھا نہ سفارش اور پھر ایک پیاری سی خوشخبری نے دونوں کو ہر دکھ سے آزاد کر دیا، نئے مہمان کی آمد کی خوشخبری نے فصیح کے پاؤں میں پر لگا دیئے اس نے چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے لیا اور ثمر کو بھی گھر بٹھا لیا۔

''ثمر ہم اپنی محبت کی پہلی نشانی کی ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے تم ریسٹ کرو بس مجھے چاہو مجھ سے پیار کرو اور ہر وقت آئینہ دیکھا کرو تا کہ میری بیٹی بالکل تمہارے جیسے ہو''

''بیٹی کیوں'' ثمر نے بھنویں چڑھائیں تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا ''واؤ کیسا انداز ہے''

بس سویٹ ہارٹ پہلے بیٹی پھر بیٹا پھر بیٹا پھر''

''فصیح'' ثمر زور سے چلائی اور وہ ہنستا ہی رہا۔ اس کی یہ پیاری اور معصوم سی خواہش تو اللہ پاک نے فوراً ہی سن لی۔

تحریم کے پیدا ہونے سے دو ماہ پہلے اس نے اوور ٹائم کرنا شروع کیا تھا جو آج تک کر رہا تھا مگر آج اس کی شدید محنت ناکافی تھی اس کی پیاری سی فیملی کیلئے۔

''یار اس دفعہ تو انشورنس کی قسط دینا بھی مشکل ہو گیا ہے، اطہر فاروقی کرسی کھینچ کر فصیح کے پاس آ بیٹھا تو فصیح بھی کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور بولا'' یار یہی بڑی بات ہے کہ تو نے دوسرے تمام خرچوں کے ساتھ انشورنس بھی کروالی ہے، اللہ خیر کرے گا کوئی صورت بن ہی جائے گی''

''کیا صورت بنی فصیح، اس قدر مہنگائی ہے کہ بس لگتا ہے یہ سب سے بڑی آفت ثابت ہو گی اس صدی کی، یار روز تو حادثے ہوتے ہیں اسی لئے میں نے انشورنس کروا لی کہ خود مر بھی جاؤ تو فیملی کو کچھ فائدہ تو ہو دوسروں کی محتاجی تو نہ ہو'' اطہر کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر فصیح کو سنائی نہ دے رہا تھا وہ اٹھ کر باہر گیلری میں چلا آیا، آوازوں کی بازگشت نے اس کے اعصاب کو سن کر دیا مگر وہ انتہائی مجبور اور لاچار ہو کہ اپنوں کے درد ختم کر سکے اور ناں برداشت ہو تو خودکشی کر لے'' یہ ثمر کی آواز تھی اور اطہر'' یار خود مر بھی جاؤ تو فیملی کو کچھ تو فائدہ ہو'' ''فصیح میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتی باقی سب تو عارضی ہے ضرورتیں تمہاری محبت سے بڑی نہیں ہو سکتی، ثمر کی آواز نے روشنی ہی روشنی کر دی مگر'' پاپا مجھے تو لگتا ہے ہم دنیا کی سب سے پور فیملی ہیں دوستوں سے شکشر سے ضرورتوں سے چھپتے پھرتے ہیں'' یہ تحریم تھی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو ہی آنسو تھے'' پاپا آج سکول میں بھی شدید درد ہوا، ٹیچر کہہ رہے تھے اپینڈکس کا آخری حل آپریشن ہی ہے مگر'' یہ عذیر کی آواز تھی فصیح تڑپ کر اٹھا نجانے کون سا فیصلہ تھا جو پل بھر میں ہو گیا وہ اندر چلا آیا اور لون کیلئے درخواست لکھنے لگا بہت دردناک وجوہات بھر ڈالیں کہ تین چار دن میں لون مل بھی گیا وہ ادارے کا سینئر ممبر سب اس کی عزت کرتے تھے، فصیح نے لون کی رقم سے انشورنس کروا دی، پچاس لاکھ کی انشورنس پالیسی اور پھر کچھ رقم بچا کر ثمر اور بچوں کو لئے لئے گھومتا رہا، سیر کروائی، رات کو آئسکریم کھلانے لے جاتا تحریم کا نجانے کتنی بار ماتھا چومتا، عمر اور عذیر کو بانہوں میں بھر کر بار بار پیار کرتا ان کے کانوں میں ماں سے وفاداری اور بڑے آدمی بننے کی ہدایات دیتا چلا جاتا تو ثمر کھلکھلا کر ہنس پڑتی ''فصیح تم تو خوش بھی ہو تو ڈر لگتا ہے'' وہ بھی ہنسا اور قریب چلا آیا'' اگر میں باہر چلا جاؤں تو؟

''تو کیا ہوا ہم سب ہینڈل کر لیں گے تو دولتیوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے پیسہ اڑائیں گے'' ثمر نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا وہ حیران تھا لیکن دوسرے ہی پل سب اسے چمٹ گئے اور ثمر اس کا بازو پکڑ کر کہا'' فصیح ہمارے لئے تمہارا ساتھ زیادہ ضروری ہے، ہم تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے''

مگر فصیح کو ثمر کی وہ آواز بھی سنائی دے رہی تھی جو اس نے کہا تھا'' کسی کیلئے کوئی بھی نہیں مرتا، زندگی رکتی نہیں، پیچھے رہنے والے پل ہی جاتے ہیں بس مرنے والا اپنی فیملی کیلئے شرمندگی کا باعث نہ بنے، سرخروئی اور سیلف ریسپیکٹ سب سے زیادہ ضروری ہے'' وہ سب کو ہٹا کر اپنے کمرے میں چلا آیا لون کی کٹوتی کی وجہ سے یہ ماہ تو زندگی مزید مشکل ہو گئی ثمر کو تقاضوں کی عادت نہ تھی مگر وہ بہت پریشان تھی'' فصیح میں جاب کر لوں، اب تو بچے ماشاءاللہ بڑے بڑے ہیں'' نہیں سویٹ ہارٹ ایک دو ماہ مشکل ہیں، بس پھر میری پروموشن ہو رہی ہے، حالات ٹھیک ہو جائیں گے تم تو بہت بہادر ہو پھر یوں ہار کیوں رہی ہو تم ہی تو میری ہمت ہو میرا مان، میرا یقین، مجھے تو لگتا ہے تمہارے حوصلے ماؤنٹ ایورسٹ جتنے ہیں اور تم اکیلے بھی زندگی کو ہر طرح سے مینج کر سکتی ہو'' فصیح تم اتنا کیوں بولنے لگے ہو، آر یو آل رائٹ'' وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی تو وہ سکون سے مسکرا دیا اور پھر اسکا خوفناک سکون سارے ماحول کو ساکت کر گیا، فصیح احمد ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں مر گیا، ثمر تو اجڑ گئی، من خالی ویران ہو گیا، آنکھیں جیسے کسی منظر

میں اکی بچھڑ گئیں مگر گھر بھر گیا صبح کے خلوص سے اس نے لمحہ لمحہ ساتھ رہنے کے وعدے کیے جدائیاں دے رہا تھا اور زندگی بھر کی پلاننگ لکھ دی اتنا روپیہ اور شہرت اتنی ڈھیروں محبتیں پا کر بھی بچھڑ کیوں گئی، بچوں کے سب مسئلے حل ہو گئے مگر چہروں سے زردی کیوں نہ گئی گھر میں زندگی ہی زندگی تھی مگر زندگی کے رقص کا ہر قدم درد سے شناسا.....

☆☆☆☆

محبت اب نہیں ہو گی

''روزی' شانو' مہرو آج ہم بھی چلیں کھیتوں میں'' شفق نے ہانپتے ہوئے کہا وہ ان لوگوں کو باہر جاتے دیکھ کر بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

مہرو نے اس کے آگے پیچھے جھانکا ''تم کون کون'' ''ہم'' وہ اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ کر بولی اور اتنی پیاری لگی کہ وہ تینوں مبہوت سے انداز میں اسے دیکھتی رہ گئیں ''شفق تو شہر جا کے بہت ہی حسین ہو گئی ہے'' شانو نے اس کی نظر اتارتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور پھر ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی' اٹھلا کر چلتے چلتے ان سب کو اپنی دوستوں اور ہاسٹل کے قصے سنانے لگی وہ کبھی ہونٹوں پر انگلی رکھ کے حیران ہوتیں اور کبھی کبھی فضاء میں چاروں کے قہقہے جلترنگ بکھیرتے جاتے۔ چاروں دوشیزاؤں کی البڑ اداؤں اور کھلکھلاہٹوں نے اردگرد کے کھیتوں میں کام کرتے کتنے ہی لوگوں کو ہاتھ روک کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''ہائے بیر کتنے موٹے ہیں'' شفق چلائی ''میں چڑھوں اوپر'' ''اوئے ناں اللہ کا واسطہ ای رحم کھا ہم غریبوں پہ'' مہرو نے کہا۔ روزی نے ہاتھ ہی جوڑ دیئے مگر وہ مسلسل دیکھ رہی تھی اوپر چڑھنے کا طریقہ اور پھر ایک دم اسے خیال آیا ''او بیوقوفو بیر ہی تو ہیں کون سا کیلے ہیں کہ اوپر چڑھا جائے۔ چلو ادھر ادھر سے ڈھیلے اٹھا کے دو دو ہڑوا لا'' کنکر وہ بھی شانو وہ بھی' او سوچے تو خواہش کرے اور ہم پوری نہ کریں ام پاسبل'' مہرو نے نچھاور ہوتی نظروں سے شفق کو دیکھا تو زور زور سے ہنسنے لگی پھر دوپٹے کا کونہ منہ میں دبا کر شرارتاً بولی'' کاش تو لڑکا ہوتی تو ہم تجھ سے ہی شادی کرتے تیرے ساتھ عشق کے قصے جا کر سہیلیوں کو سناتے'' اور چاروں کے قہقہے جیسے خوشبو بن کر چاروں اور بکھرے جا رہے تھے بن موسم ہی بہار آ جاتی تھی جب وہ چاروں اکٹھی ہو جاتیں انہیں دن میں ہزار بار بھوک لگتی اور نیند تو جیسے روٹھ ہی جاتی ان کے قصے ہی ختم نہ ہوتے۔ روزی کی اماں تو اکثر کہتیں ''ہائے کدھروں ایہا خاندان لبھے جتھاں دے چار پتر ہوون' تے فیر تسی چاروں دی زندگی بھر ل کے خوش باش رہو دے تے بندہ بھیڑیاں نوں بچے جاندا اے۔ اولاد جوان ہوئی تے بھین بھراں وچھڑ جاندے نے (کہیں سے ایسا خاندان ملے جن کے چار بیٹے ہوں تو تم چاروں سہیلیاں عمر بھر مل کے خوش باش رہ سکو۔ ورنہ اولاد جوان ہو جائے تو بہن بھائی ایک دوسرے کو بھول ہی جاتے ہیں) وہ ٹھنڈی آہ بھرتیں اور کہیں دور یادوں میں کھو جاتیں۔ جبکہ چاروں لڑکیاں سر جوڑے پھر سے سرگوشیوں میں مصروف ہو جاتیں۔

روزینہ اور شاہینہ دونوں بڑے ابا کی بیٹیاں تھیں جبکہ مہرو ان کی اکلوتی پھپھو کی اکلوتی بیٹی جن کے میاں کا انتقال ہوا تو رمیز خان اور سہیل خان بہن کو اپنے پاس ہی لے آئے شفق سہیل خان کی اکلوتی صاحبزادی تھی وہ آرمی آفیسر تھے اب ریٹائرڈ ہوئے تو اپنوں میں آ بسے ان کی بیوی ان کی فرسٹ کزن تھیں گاؤں سے ہی میٹرک کیا تھا اپنے وقت میں واحد پڑھی لکھی لڑکی تھیں سو بہت ہی زیادہ ماڈرن خاتون تھیں اور خوش مزاج ایسی کہ سارے گھر کو ہنساتی رہتیں کیٹرنگ اس قدر کہ مہرو اور عابدہ بیگم کو لگتا وہ موم کی بنی ہوئی ہیں اسی لیے تو بھائی' بھابھیاں ان کا اتنا خیال رکھتی ہیں۔ دونوں ماموں بھی مہرو کے بہت ہی لاڈ کرتے ناز نخرے اٹھاتے جبکہ وہ اندر ہی اندر سلگتی جا رہی تھی۔ بڑے ابا (رمیز خان) کی روزی نے بس میٹرک کیا اسے پڑھنے لکھنے سے دلچسپی نہ تھی وہ کوکنگ دل لگا کر کرتی اور نت نئی ڈشز بناتی اور سب سے خوب خوب داد وصول کرتی جبکہ شاہینہ کا مزاج ہی الگ تھا۔ اسے پولیس میں جانے کی ضد تھی کتنے ہی دن حویلی میں بزرگوں کا غیض و غضب گونجتا رہا اور وہ اپنے موقف پہ ڈٹی رہی تبھی سہیل خان نے سب کو سمجھانے کا بیڑا اٹھایا جدید دور کے تقاضے' تعلیم کی اہمیت' لڑکیوں کے تشخص اور نجانے کس کس طرح کے دلائل دے کر انہوں نے سب کو منا لیا وہ تو دل سے چاہتے تھے لڑکیاں خوب تعلیم حاصل کریں اور لڑکوں کی طرح بڑے عہدوں پہ فائز ہوں۔ سو شاہینہ نے پولیس لائن جوائن کر لی وہ بے تحاشا خوش تھی مگر روزی اور مہرو دل گرفتہ تھیں کیونکہ وہ ان سے دور ہو رہی تھی مہرو نے پرائیویٹ ایف اے کیا۔ اسے شہر کی ہلچل سے ڈر لگتا تھا اور اب بی اے کی بکس بھی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی طرف سے منگوا لیں جبکہ شفق تو اپنی ماما کی طرح زندگی اور خوبصورتی کا مرقع تھی بہت ذہین اور آگے بڑھنے کے جذبے سے معمور اس کے پاپا نے اسے بی ایس سی میں لاہور کالج میں ایڈمیشن لے دیا اور ہاسٹل میں رہنے کی اجازت بھی مل گئی اب تو چاروں بہت کم مل پاتیں اور جب ملتیں تو جیسے پیاسا کنوئیں کے پاس آ جاتا اور غٹاغٹ سارا کنواں پی جانا چاہتا ہے۔

شفق اس بار مہینہ بھر نہ جا سکی تو مہرو کا فون آ گیا اور رو رو کر برا حشر کیے جا رہی تھی۔ ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ تو آئے'' مگر وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی ''مہرو بتاتی ہے کہ فون بند کر دوں'' شفق نے دھمکی دی تو وہ قدرے سنبھلی اور پھر سسکتے سسکتے بولی'' شفق میرے دادو آئے ہیں'' ''اچھا یہ تو خوشی کی بات ہے ویسے وہ پہلی بار تو نہیں آئے'' شفق نے جل کر کہا تو وہ پھر رونے لگی وہ ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ میرے تایا ابا کے انتقال کے بعد وہ اکیلے رہ گئے ہیں وہ چاہتے ہیں میں اور مما ان کے پاس چلیں'' وہ روئے جا رہی تھی اور آنکھیں تو شفق کی بھی چھلکتی چلی گئیں ''تو رو تو نہ مہرو پھپھو بھی پریشان ہو رہی ہوں گی''

''وہ نہیں ہیں پریشان' بہت خوش ہیں سسرالیوں کی محبتوں پر بلکہ دادا کے ساتھ لگی ہوئی بھی ہیں دونوں ماموں بھی' تایا جان کے انتقال کا افسوس کرنے سب نے اس بات کو یوں لیا ہے شفق جیسے کوئی بات ہی نہ ہو'' وہ پھر سسکنے لگی

''مہرو بس کرو چندا ایک بار تو جانا ہی تھا انہوں نے افسوس کرنے نہ جاتے؟'' ''تم یوں خود کو ہلکان نہ کرو ہم آتے ہیں ناں پھر بڑوں سے بات کریں گے انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا''

''اب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا تم دیکھنا ہمیں جانا ہی پڑے گا'' مہرو نے فکر سے کہا تو شفق تسلی بھی نہ دے سکی اسے بھی تو ایسے ہی لگ رہا تھا۔

پھر وہ زیادہ دن تک نہ رک سکی آخری پیپر ہوتے ہی نکل آئی۔ مگر گھر میں تو خوب چہل پہل تھی سب خوش باش اور مہمان بھی آئے ہوئے تھے روزی کیلئے اس کے ماموں کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا وہ کینیڈا میں رہتے تھے اور پچھلے ایک ہفتے سے اپنی فیملی کے

ساتھ پاکستان آئے ہوئے تھے۔ روزی کی اماں تو جیسے اڑتی پھرتی تھیں کتنے سالوں بعد بھائی کو دیکھا تھا اور بھانجوں کی بلائیں لیتی نہ تھکتیں۔

''کیسے ہیں لڑکے'' شفق نے مہرو سے پوچھا ''بڑے رمیز بھائی تو اچھے ہیں بہت خوش مزاج اور ملنسار اپنی روزی کیلئے مجھے تو پسند ہیں مگر یار ......'' ''کیا دوسرا بہت برا ہے اور تو کیوں مایوس ہے؟'' شفق نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ ایک دم گھبرا کے بولی ''نہیں وہ تو چھوٹو بہت خوبصورت ہے بے حد مغرور اور بد دماغ بھی میں تو روزی کے دور جانے کی وجہ سے پریشان ہوں'' شفق پہلے مہرو اور اب روزی۔ مہرو بھی یہی سوچ رہی تھی تبھی تو آنکھیں جھر جھر برسنے لگیں تو شفق نے اٹھ کر اسے گلے لگایا اور پھر روزی بھی آ گئی اور دونوں کے گرد بازو حمائل کر کے وہ بھی رو دی۔ دو دن بعد شانو بھی آ گئی تو چاروں کبھی روتی رہتیں اور کبھی روتے روتے ہنسنے لگتیں روزی کو چھیڑتی کبھی مہرو کو تنگ کرتیں ''مہرو لگتا ہے تیرے دادا کو تیری ضرورت اس لیے پڑ گئی کہ گھر میں جوان پوتے ہیں تو سب سے پہلے گھر کی بچی کو ٹھکانے لگائیں'' شانو نے مہرو کی

لٹ اپنی انگلی پہ گھماتے ہوئے کہا تو وہ جل ہی گئی "مجھ سے نہیں کرے گا کوئی شادی اگلے اتنے خوبصورت ہیں میں تو ان کی نوکرانی لگتی ہوں"

"ہائے مہرو واقعی تو پیاری ہے تو" یہ کالی ناگن آنکھیں اور زلفیں دیکھو تو سہی کسی کی ہیں پورے گاؤں میں ایک زلفیں" روزی نے نہایت پیار سے کہا تبھی مہرو کو لگا کوئی ان کے پیچھے تھا ذرا پیچھے لیمن کے پیڑ کے پیچھے سرسراہٹ سی ہوئی اس نے مڑ کے دیکھا تو شاہ میر تھا۔

گھر میں روزی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ چاروں لڑکیاں شفق کے پپا کے ساتھ بازاروں کے چکر لگا لگا کے پاگل ہو رہی تھیں اور خواتین الگ چکروں پہ چکر لگائے جا رہی تھیں رات بھر ستارے یوں ٹانکے جاتے گویا سارے آسماں کو خالی کر کے روزی کی اماں اس کے بجنت میں ٹانک دیں گی۔ آخر مردوں کو مداخلت کرنا پڑی "آپا جتنے تردد آپ کر رہی ہو ناں اس سب کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہم پردیس میں کہاں یہ سب اٹھائے پھریں گے" نفیس الرحمان روزی کی اماں کے پاس آ بیٹھے اور لاڈ سے بولے "بس آپا دعائیں دو بہت بہت ساری دعائیں ہمیں بہت ضرورت ہے" دونوں بہن بھائی کی آنکھیں نمناک ہو گئیں

دن گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا اور روزی کی شادی کا دن بھی آ پہنچا وہ چاروں اڑی اڑی پھرتی تھیں مہرو کے دادا اور پھوپھیاں بھی شادی میں شرکت کیلئے آ گئے اور مہرو گویا انگاروں پہ لوٹتی پھرتی تھی ابھی ابھی مہندی کیلئے تیار ہو رہی تھیں کہ شفق نے کہا "شاید یہ ہماری مرضی اور آزادی کے آخری دن ہوں روزی چلی جائے گی اور پھر مہرو تو بھی" چاروں کی آنکھیں بھیگ گئیں مہرو آنکھیں پونچھتی اٹھ کر باہر نکلی اس کا من اتنا بوجھل تھا کہ کہیں دور جا چھپنے کو بے قرار وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتر رہی تھی تبھی کسی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے اوپر لے آیا مہرو کی آنکھیں ہی پھٹ گئیں چاند کی روشنی میں شاہ میر کا چہرہ چمک رہا تھا اور آنکھیں بھی کچھ کہنے کو بے تاب تھیں۔

"شادی کرو گی مجھ سے" وہ ابھی بھی اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھا وہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ کر دور ہٹی "کیوں، کس لیے" کڑے تیوروں سے پوچھا گیا تو شاہ میر ہنسنے لگا "اوہ گاڈ کس قدر ڈیشنگ ہے" دل نے مہرو سے کہا تو وہ اور چپ گئی

"مہرو میں نے بہت دن سوچا کہ چلو ایک بار بھائی کی دلہن لے کے چلے جاتے ہیں پھر آئیں گے ایک اور دلہن لینے" لیکن"

وہ سانس لینے کو رکا اور مہرو جذبات سے عاری چہرہ لیے اسے گھورے جا رہی تھی

"پھر میں نے سوچا تم تو اپنے ددھیال چلی جاؤ گی تمہارے ارد گرد بڑھتے ہوئے رشتے ظالم سماج ہی نہ بن جائیں سو آئی ڈی سائیڈڈ"

"ہوتے کون ہیں آپ میرے بارے میں کچھ بھی ڈیسائیڈ کرنے والے" میں ہی بیوقوف نظر آئی آپ کو کہ عشق جھاڑنے بیٹھ گئے مسٹر شاہ میر میں اچھی طرح سمجھتی ہوں مجھ جیسی عام سی شکل اور کم پڑھی دماغ والی لڑکی سے کوئی بھی ریزن ایبل اور چینڈسم شخص نہ تو محبت کر سکتا ہے اور شادی تو ہر گز نہیں اور اگر کرنے کا سوچے گا تو صرف اس لیے کہ گھریلو بیوی کم نوکرانی بھی میسر ہو اور عمر بھر کی آزادی بھی"

"مہرو آئی کانٹ بلیو تمہاری سوچ اس قدر گھٹیا ہے" شاہ میر واقعی بکتے کی سی کیفیت میں تھا

"ہاں ہے گھٹیا آپ کسی اور کے سامنے دہائیاں دیں جسے آپ کی بجھ آئے۔ مجھے اور بڑے مسائل ہیں" وہ تنتنا کر بولی

"بٹ آئی سٹل لو یو" شاہ میر نے اپنی سرخ آنکھیں اس کے فیصلے چہرے پہ ٹکائیں وہ پل کی پل نروس ہوئی "تم آرام سے سوچنا نکاح کر لیں گے پھر باقی سب" وہ کہہ کر تیزی سے جانے کیلئے مڑا تو وہ چیخ پڑی "شاہ میر یہی سب اپنے جیسی کسی سے کہنا تمہیں شفق کیوں نظر نہ آئی وہ خوبصورت ہے تمہاری غلام بن کے نہیں رہ سکے گی اس لیے مجھ غریب پہ ترس کھا کر لے جانا چاہتے ہو اگر ملک سے باہر جانے کا اتنا ہی شوق ہوتا تو دادو کے ساتھ زیارت خوشی سے چلی جاتی رونا نہ ڈالے پھرتی" مگر وہ جا چکا تھا۔ شاید ہمیشہ کیلئے اس کی زندگی سے پھر سارے حالات ہی بدل گئے۔ روزی کی شادی ہو گئی مہرو روتی دھوتی اپنے دادا اور پھوپھیوں کے ساتھ اپنی ماں عابدہ بیگم کے ہمراہ چلی گئیں۔

کینیڈا واپس جانے سے صرف دو دن پہلے شاہ میر نے ممی پپا کو اپنا فیصلہ سنایا کہ وہ شفق سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ سب حیران تھے اور خوش بھی عابدہ بیگم کو بھی فون کیا مگر انہوں نے محبت بھرے لہجے میں ڈھیروں دعائیں دیں اور آنے سے معذرت کر لی "بھیا ابھی تو آئے ہیں مہرو پھر اپ سیٹ ہو جائے گی بس اللہ پاک سب اچھا کریں گے آپ بسم اللہ کر کے کر دیں لڑکا بہت اچھا ہے"

وقت کبھی کبھی آمر حکمران بن جاتا ہے بس اپنی ہی کرتا ہے فیصلے پہ فیصلہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور انسان محض کٹھ پتلی بنا تا چار رہتا ہے۔ وقت گزرتا رہتا ہے اپنی چالیں چلتا رہتا ہے۔

شفق اور روزی دونوں پردیس آ گئیں مگر ایک دوسرے کی تو اپنی تھیں دونوں اکٹھے ہونے پہ بہت خوش تھیں مگر روزی اور از میر تو مثالی کپل تھے گھومتے پھرتے ہنستے بولتے اور وہ شفق کا شاہ میر جیسے کوئی ماورائی مخلوق ہو۔ مغرور اور حد درجہ سنجیدہ کبھی ہنس پڑتا تو یوں سنبھل جاتا گویا غلطی ہو گئی ہو۔ ہر وقت حکم صادر کرتا رہتا اور شفق مانتی چلی جاتی اسے شروع سے رعب ڈالنے والے مرد بہت پسند تھے بلکہ اس کا کریز تھا کہ مرد کو سڑیل اور بد دماغ ہی ہونا چاہیے تبھی شاید وقت شنید تھا۔ اب بھی وہ شاہ میر کی بد مزاجیوں کو انجوائے کرتی وہ کہتا "شفق جلدی کمرے میں آیا کرو آئی ڈونٹ لائیک یہ عورتوں والے قصے" وہ مڑ کے آئینے میں دیکھتی اور خود کو آنکھ مارتی "ایس رعب" اور پھر لوٹ کر اس تک آتی تو وہ سو چکا ہوتا وہ جل کر رہ جاتی مگر پھر مسکرا دیتی دھیرے دھیرے اسے شاہ میر سے محبت ہو تی گئی اتنی محبت کہ روزی سات سالوں میں تین بار پاکستان گئی اور ایک بار بھی نہ جا سکی شاہ میر نے کہا تھا "ابھی وقت نہیں ہے تم اکیلی نہیں جا سکتی سوری آئی ڈونٹ لائیک" "اوکے" شفق نے کندھے اچکائے "بیچارا مجھ سے محبت جو کر بیٹھا ہے میرے بغیر کیسے رہ سکتا ہے" وہ خوشی سے خود کو سمجھاتی اور اپنی کیوٹ سی بیٹی ذیمل کے گال چٹ چپ چوم لیتی کہیں پیار دو بارہ آ کر مل گئے۔

"شفق پھپھو کی ڈمھ ہو گئی ہے۔ اب تو تمہیں آنا ہی چاہیے" "تم تو بالکل ہی بدل گئی ہو شفق کوئی کسی کو نہیں روکتا تم خود ہی بے وفا ہو" شاہینہ نے اسے خوب سنائیں تو وہ بس اتنا ہی بولی "روکتی تو محبت ہے شانو اور اب میں ضرور آؤں گی" وہ ریسیور رکھ کر مڑی اور صوفے پہ ڈھے سی گئی۔ دیر تک روتی رہی اپنی پیاری پھپھو کی شکل آنکھوں سے ہی نہ ہٹ رہی تھی اور "مہرو ہائے میری دوست نجانے کیسی ہو"

"تو یہ کتنی بری ہوں میں کتنے سال بیت گئے میں نے مہرو کی خبر تک نہ رکھی" نجانے کیسی ہو میری مہرو" ایک دم دل میں درد سا اٹھا اور پھر فیصلہ کر کے اٹھ گئی۔ ساس سسر کے کمرے میں چلی آئی روزی کے ساتھ چلے جانے کا پروگرام بھی تو بنانا تھا۔ شاہ میر نے بہت موڈ دکھایا۔ ڈانٹا، ناراض ہو کر چلا گیا مگر روڈی رہی۔ از میر بھائی نے روزی، ممااور شفق کے ٹکٹ کنفرم کروا دیے اور اب وہ مہرو کے گلے لگی رو رہی تھی نجانے کب کا غبار تھا جو رک ہی نہ پا رہا تھا۔ بہت باتیں کرنی تھیں۔

"مہرو تیرے دو گھر ہیں اور بچے" شفق نے اشتیاق سے پوچھا تو مہرو نے حیرت سے اسے دیکھا پھر دھیرے سے بولی "شفق زندگی میں بس ایک ہی کام کیا صرف اس شخص سے محبت جس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا"

"ہیں وہ کون تھی پہلے تو کبھی نہ بتایا" روزی بھی قریب ہو بیٹھی

لیکن فوراً اسے ممی کی آواز پہ اٹھ کے جانا پڑا مہرو اور شفق دیر تک خاموش رہیں۔

"شفق وہ لڑکا جو روزی کا دیور تھا ناں' درمیان والا شاہ میر یاد ہے تجھے" مہرو نے بولنا شروع کیا اور شفق کے دل نے پمپ کرنا بند کر دیا رگوں میں لہو منجمد ہوتا جا رہا تھا مہرو کے ایک ایک لفظ سے "وہ بہت محبت سے مجھے پرپوز کر رہا تھا شفق مگر میں احساس کمتری کی ماری فضول لڑکی"

"صاف انکار کر دیا اور اتنی بری اتنی غیر اخلاقی باتیں کیں شفق کہ تیرا نام بھی لے دیا کہ بیوقوف بناتا ہے تو شفق جیسی خوبصورت لڑکی کو بنا کر دکھاؤ" وہ اٹھ کر کھڑکی تک چلی گئی پردہ ہٹایا تازہ ہوا اندر آئی تو کسی گھٹن بے تحاشا بڑھ گئی اتنی کہ شفق کا دم گھٹنے لگا۔

"جب میں زیارت آنے کیلئے نکل رہی تھی تو وہ پھر چلا آیا اور میرے کھلے بیگ میں کپڑوں کے اوپر ایک کاغذ رکھ گیا"

وہ ایک پل رکی مگر شفق کے آنسو تھیں رکے پورے تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"شفق اس نے لکھا

محبت اب نہیں ہو گی

یہ کچھ دن بعد میں ہو گی گزر جائیں گے جب یہ دن

یہ دن کی یاد میں ہو گی"

"ہاں مہرو اس نے ٹھیک کہا تھا" شفق نے مرے ہوئے لہجے میں کہا تو مہرو تڑپ کر مڑی اور پھر پتھر ہو گئی ایک ایک قدم چلتی اس کے پیروں کے پاس آ بیٹھی اور چپ چاپ اسے دیکھتی رہی جیسے سب سمجھ آ گئی ہو شفق ہچکیوں سے روتی رہی اور مہرو ساکت نظروں سے اس کے گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتی رہی

کینیڈا واپس آئی تو شاہ میر تو بدل ہی چکا تھا بالکل شاید وہ شفق سے انتقام لیتے لیتے تھک گیا تھا شاید اس نے اپنے کمرے میں اپنی زندگی کی ساتھی اور اپنی سویٹ ڈالر زیبل کو مس کیا تھا وہ چہکتا ہوا کمرے میں آیا۔ قدرے اندھیرا تھا "شفق ہمارا گھر کمپلیٹ ہو گیا ہے" پھر اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے وہ قریب چلا آیا "بہت خوبصورت گھر ہے۔ اتنے پھول ہیں اتنے کہ تم دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی" وہ اپنی رو میں بولتے بولتے بورڈ کے قریب چلا آیا اور سوئچ آن کیا "تم نے اندھیرا کیوں کیا ہوا ہے" وہ کہتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا شفق کے ہاتھ میں لپ اسٹک تھی شاید وہ بہت دیر سے آئینے پہ لکھ رہی تھی۔

محبت اب نہیں ہو گی

شاہ میر دنگ رہ گیا دھند آنکھوں میں رستہ بنانے لگی

"شفق"

"آپ بیٹھو میں دودھ لے کر آتی ہوں ابھی زیبل کا فیڈر بھی بنانا ہے اور" وہ باہر چلی گئی مگر اس کے لہجے کی نمی نے شاہ میر کو سمجھا دیا کہ واقعی شاید اب محبت اس کا نصیب نہ بن سکے گی۔

☆☆☆☆

یہ میرا جنون

مکافات عمل ہے
یہ جنون میرا
مگر نہ تھا وہ عمل میرا
اور نہ ہے یہ عمل میرا

آج پھر میرے اندر کوئی مچل مچل کر رو رہا تھا میرے کمرے کی کھڑکی گلی کی طرف تھی ابھی میں نے سنا عورتیں کہتی ہوئی گزر رہی تھیں کہ "بیچاری کو پھر دورہ پڑا ہے۔ جوان جہان ہے بیچاری" میں اٹھ کر آئینے کے سامنے چلی آئی تو سامنے دو آنکھیں تھیں سوجی ہوئی، بے پناہ وحشت لئے دو بنجر ویران آنکھیں جو چیخ چیخ کر کہتی تھیں۔ مکافات عمل ہے یہ جنون میرا" مگر میں نے کچھ نہیں کیا" ان معصوم وحشت زدہ آنکھوں نے چیخ کر کہا تو میں دہل کر پیچھے ہٹ گئی مبادا کہ آئینہ ٹوٹ جاتا۔ درد کی شدت سے اور کرچیاں میرے روم روم میں چبھ جائیں۔ میں نے احتیاط سے خود کو بچا تو لیا مگر میرا سارا بدن زخم زخم ہے۔ پور پور سے خون رستا ہے تو درد کی شدت مجھے نڈھال کر دیتی ہے میں کبھی چیختی ہوں، چلاتی ہوں، روتی ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں میں پاگل ہوں، اماں بھی لوگوں کی باتوں میں آجاتی ہے۔ گالوں پہ آنسو بہتے رہتے ہیں اور مجھے بیڈ کے ساتھ باندھ جاتی ہے کہ میں خود کو نقصان نہ پہنچاؤں مگر اب بچا کیا ہے جو ٹوٹنے یا برباد ہونے کا ڈر ہو۔ میرے بے زار و قطار رونے کی مشق نہ جانے کب تک جاری رہتی مگر اماں کی آواز نے ساری حسیات منجمد کر دیں وہ کہہ رہی تھیں "زوار ملک واپس آ رہا ہے، بہن کے دکھ پہ اس سے ضبط نہیں ہو رہا بہت بے چین ہے اپنی لاڈلی کو بانہوں میں سمیٹنے کو، میرے بچوں میں شروع سے بہت پیار تھا پھر صندل تو سب سے چھوٹی تھی ناں اس لئے سب نے اسے بچوں کی طرح گودوں کھلایا۔ فرح شادی کے بعد سیالکوٹ چلی گئی زوار ملک سے باہر اور یہ میری صندل بد بخت، ہائے" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری میں نے پھر آئینے کی طرف دیکھا ان دو وحشت زدہ آنکھوں میں سمندر ہلکورے لینے لگا اور پھر اکھاں چھم چھم وسیاں۔ "نجانے کس کی نظر کھا گئی میرے گھر کی خوشیوں کو سب تتر بتر ہو گیا۔ کتنے سال ہو گئے زوار کی شکل دیکھے فرح کا ماتھا چومے، لوگ کہتے ہیں تیری دلہن میں نجانے کیا خرابی تھی جو شادی کی پہلی رات ہی طلاق لے کر آ بیٹھی"۔ اماں روتے روتے بول رہی تھی اور میرا دل پھر بگولوں کی زد میں چکرانے لگا، ڈولتا ڈگمگاتا جا رہا تھا۔ سامنے کے سارے منظر دھندلانے لگے تو وہ رات واضح ہو گئی زندگی نے جب میری مانگ میں روشنیاں ہی روشنیاں بھر دی تھیں۔ حارث میرے پاس بیٹھا تھا جب میں نے نکاح کے کاغذات پر سائن کئے تو اس کی سرگوشی نے میری سماعتوں میں رنگوں کی جلوہ گری کی تھی۔ "صندل، اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو۔ میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو" اور میرے روم روم میں ایک خوبصورت سا ارتعاش سرایت کرتا جا رہا تھا میں نے اپنے لرزتے ہاتھوں کو دوپٹے کے نیچے چھپانا چاہا تو حارث نے اپنا مضبوط گرم ہاتھ میرے لرزتے ہاتھوں پر رکھ دیا تو جیسے میں خوشیوں کے ہنڈولے پر بیٹھ کر خواب نگر میں نکل پڑی بس اڑتی جا رہی تھی۔ اڑتی جا رہی تھی۔ زمین پہ پاؤں تو تب لگے جب میں اپنے عروسی بیڈ روم میں اپنے قدموں پہ چلتی سو وسوسوں سے گزرتی ہوئی آئی۔ یہ ساری رسمیں میری پیاری بھابھی کر رہی تھیں جو میرے دلربا شوہر کی اکلوتی بہن ہیں اور اکلوتی رشتہ دار تھیں اور چار پریاں بھی تھیں، میری چہیتی ایمل، سنبل، ردا، نجی۔ میری لاڈلی بھتیجیاں اور حارث کی بھانجیاں ایسی بے وفائی پھرتی تھیں جیسے ان کا سارا رشتہ حارث سے ہی ہو۔ پل بھر میں پھپھو کی بجائے "ممانی جی" کہہ کہہ کے چٹخارے لینے لگیں مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ایمل کے بعد سنبل پیدا ہوئی تھی تو ہمارے گھر میں سوگ کا سماں ہو گیا تھا۔ میرے اکلوتے بھیا جانی کا کہنا تھا کہ گھر عورتوں ہی عورتوں سے بھرتا جا رہا ہے۔ انہوں نے نفرت سے سنبل کو دیکھا تک نہ تھا مگر میں، اماں اور فرح آپی نے بھابھی اور بچیوں کو اتنی محبت دی اتنی توجہ دی کہ بھائی کو بھی چوری چوری اس کی طرف دیکھنا پڑا تو سنبل ہمک ہمک کر مسکرا دی تھی میں نے دیکھا بھائی بے اختیار اٹھے اور سنبل کو بانہوں میں بھر لیا اور چٹ چٹ چوم ڈالا پھر بھابھی کی طرف دیکھ کر بولے "اگلی بار مجھے بیٹا ہی چاہیے"۔ بھابھی حسب عادت پیارے سے مسکرا دیں اور فرح اور اماں بھی مگر میں نے تب بھی سوچا تھا اتنی بیٹیوں میں ایک بیٹا تو بیچارا عجیب ہی لگے گا اور پھر میں خوفزدہ ہو کر اٹھ گئی کہ کہیں میری سوچ کی بھیا تک آواز اوپر نہ چلی جائے مگر مجھ غریب کو کیا خبر تھی کہ یہ آواز عرش تک پہنچ جائے گی اور سنبل کے بعد ردا اور نجی بھی آ جائیں گی اب تو گھر بچ بچ عورتوں سے بھر گیا تھا اور میرے پیارے بھیا بہت زیادہ پریشان حال تھے۔ اکثر کہتے "ان کی شادیاں کرتے کرتے میری تو کمر ہی ٹوٹ جائے گی"۔ وہ سچ کہتے تھے بیچارے ہم بھی سب آزردہ ہو جاتے تبھی فرح آپی کا رشتہ آ گیا۔ سیالکوٹ سے بہت ہی اچھے لوگ تھے مگر اماں دکھی ہی ہو کر بولیں "اتنی دور ہے زوار ذرا سوچ تو سہی"۔ "اماں پاکستان کے ہر شہر میں ایک ایک بچی بیاہیں گے تو فکر نہ کر" بھائی نے مجھے اور اپنی چار بیٹیوں کو دیکھ کر کہا، وہ اکثر ایسی ہی طنز بازی کرتے۔ بھابھی بیچاری تو مجرم بنی پھرتی رہتی تھیں۔ چپ چاپ کسی بات میں کچھ بھی نہ بولتیں میں ہر بات پہ بے فکری سے ہنس پڑتی تب میں سیکنڈ ایئر میں تھی جب فرح آپی کی شادی کے بعد بھائی نے ایک دن حکم سنایا کہ وہ باہر جا رہے ہیں۔ اپنے کسی دوست کی مدد سے تب میں نے دیکھا بھابھی کی آنکھیں برس پڑی تھیں مگر بھیا نے نہایت بے دردی سے کہا تھا" یہ جو گھر بھرا پڑا ہے بیٹیوں سے ان کو پڑھانے کھلانے اور بیاہنے کیلئے بہت سا پیسہ چاہیے اور ویسے بھی میں تمہارے سائے سے بھی دور جانا چاہتا ہوں مجھے سخت نفرت ہے تم سے"۔

اماں اور باقی سب سمجھتے ہیں میں پاگل ہوں بالکل بے حس۔ ہر سوچ سے ماورا ہو چکی ہوں مگر میرے ماتھے پہ آج بھی زوار بھائی کے بوسے کا احساس ہے۔ "تم ان سب کا خیال رکھنا مجھے بہت مان ہے تم پہ، میں بہت سارا پیسہ کمانا چاہتا ہوں اور انشاءاللہ تمہاری شادی پہ ضرور آؤں گا"۔ میں نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی، اماں تو بیٹے کی جدائی میں بے حال تھیں،

روز گھنٹوں روتی رہتیں، بھابھی تو جیسے پتھر ہو گئی تھیں۔ چپ چاپ پھرتی رہتیں، ساکت چہرے کے ساتھ پتہ ہی نہ چلتا وہ خوش ہیں کہ دکھی بھائی جی باہر کیا گئے دنوں میں ہماری حالتیں بدل گئیں۔ گھر میں پیسے کی ریل پیل ہو گئی ہم نے گاڑی بھی لے لی میں خود ڈرائیو کر کے ایمل اور سنبل کو چھوڑتی ہوئی کالج جاتی شہر کے ایک پوش ایریا میں خوبصورت سا بنگلہ بھی لے لیا اب تو فرح آپی بھی اپنے میاں اور بیٹوں کے ساتھ ہر ہفتے چلی آتی اور جاتے ہوئے اماں بہت سارا سامان ہمراہ کر دیتیں۔ میری پیاری بھابھی بہت خوبصورت اور اسمارٹ خاتون تھیں مگر ایک درد ہر لمحہ ان کی آنکھوں میں لکھا دیتا میں رات کو انہیں ساتھ لے کر

تھکی اور ڈرائیونگ سکھاتی "بھابھی جی میں نے تو اپنے گھر سدھار جانا ہے۔ سال دو سال میں آپ ہر کام خود کیا کریں" وہ پیار سے مسکرا دیں میری بات سن کر اور ماتھا چوم کر بولیں۔ اللہ پاک تمہارے نصیب اچھے کرے" آمین بھابھی ڈیئر میں چنچل ہو گئی مگر یہ سال دو سال سات سالوں میں ڈھل گئے زوار بھائی نے برطانیہ میں ایک گوری سے شادی کر لی۔ اب خرچ بھی کم ہونے لگا جبکہ ہماری ضروریات بڑھ گئی تھیں۔ ایمل چھٹی کلاس میں تھی اور سنبل پانچویں میں۔ اماں اکثر بہت بیمار رہتی مگر ایک کام بہت اچھا ہوا میں نے اور بھابھی جی نے اپنا بوتیک بنالیا تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت اچھا بزنس کر رہا تھا اور پھر بھائی جی نے رابطہ کرنا بھی بند کر دیا۔ سوگواریت نے پھر سے ہمارے گھر میں پنجے گاڑنا شروع کر دیے۔ سب خاموش اور سنجیدہ پھرتے رہتے۔ میرے لئے کبھی کوئی رشتہ آتا بھی تو یہ جان کر کہ ہمارے گھر کا اکلوتا مرد زوار احمد ملک سے باہر ہے اور ہم نند بھاوج بوتیک چلاتی ہیں۔ رشتہ واپس چلا جاتا اور ہمارے گھر کی سوگواریت بڑھ جاتی تبھی نجانے کیسے میری اماں کی دعا مستجاب ہو گئی اور بھابھی کا اکلوتا بھائی جو امریکہ میں ایم بی بی ایس کر رہا تھا۔ لوٹ آیا ڈاکٹر حارث علوی بہت ہی شوخ اور ڈیشنگ، اسمارٹ چپل پارس نے بھابھی کی آنکھوں میں خوشی ہی خوشی دیکھی وہ چند دن ہمارے پاس رہا اپنے کلینک اور گھر کی سیٹنگ کی اور یہ چند دن ہماری زندگیوں میں زندگی کی لہر بھر گئے۔ میری بھتیجیاں تو بہت ہی بے وفا نکلیں ایک دم ماموں کے ساتھ مل کر پارٹی بنالی اور گھر گھر اس کے ساتھ گھومتی پھرتیں وہ بھی دل کھول کے ان کو شاپنگ کرواتا اور ہر بار میرے لئے بھی کچھ نہ کچھ لے آتا پھر احسان جتا کر کہتا "ہم نے سوچا بے چاری صندل کا دل برا ہوگا، کیا ہوا جو بے چاری کا کوئی ماموں نہیں میں تو ہوں نا، صندل کی بھتیجیوں کا ماموں تو" میں کھلکھلا کر ہنس پڑتی یوں لگتا جیسے ہم سب کے اندر سے پھوٹ رہی ہو چار چھ نسوانی قہقہے گونجتے تو ہماری اماں کے چہرے پہ بھی بے اختیار مسکراہٹ آجاتی وہ بہن کے دکھوں کو کرید کرید کر ستا بھابھی کے دکھوں کو بھی جیسے قفل لگ گئے تھے بھائی سے دل کا حال کہیں تو اسکی آنکھوں میں سناٹا سا بھر جاتا وہ چپ چاپ سا اٹھ جاتا اور پھر جب ایک دن بھابھی اسے بتا رہی تھیں کہ زوار کے رویئے کی وجہ سے صندل کے لئے آنے والا ہر رشتہ لوٹ جاتا ہے۔ ظاہر ہے حارث بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں تو وہ بے اختیار بولا آپی صندل کیلئے آنے والا ہر رشتہ اس لئے نہیں لوٹ جاتا بلکہ اس میں میری دعاؤں کا بڑا ہاتھ ہے نجانے کب سے میں صندل کے ساتھ کا تمنائی ہوں جب میں امریکہ گیا تھا یہ سیکنڈ ائیر کی اسٹوڈنٹ تھی تب سے میں نے سوچا تھا کہ "کیا؟" میں اسے گھورتے ہوئے پاس چلی آئی تو وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا کہ مجھے تم سے ہی شادی کرنا ہے، میں تو اس کے اتنے واضح پروپوزل پر تھرا کر رہ گئی جبکہ لڑکیوں اور اماں کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے مگر میں نے دیکھا بھابھی خوش نہیں ہوئیں بلکہ متفکر سی تھیں اور پھر رات کو اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئیں میں نے دیکھا تو مجھے تجسس سا ہوا کہ آخر بھابھی کیوں خوش نہیں ہیں، ہماری شادی پہ؟ میں بھی دبے پاؤں چلی آئی۔

"حارث تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کے کیا ہے"؟

بھابھی نے کڑے لہجے سے پوچھا تھا۔

"ہاں آپی بہت سوچ سمجھ کر" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"آپ بالکل ہی پریشان نہ ہوں میں کچھ بھی ایسا نہیں کروں گا جس سے آپ کو دکھ ہو مجھے پتہ ہے آپی کہ بھائی بہنوں کا مان ہوتے ہیں" میرے اندر بے وجہ ہی سکون پھیل گیا "میں نے صندل کو بھی بیٹیوں کی طرح پالا ہے اور حارث صندل اور ماں جی نے بھی میرا بہت ہی خیال رکھا بہت زیادہ ورنہ میں اپنی چار بیٹیوں کے ساتھ دنیا کے میلے میں رل جاتی۔ ذلیل خوار ہو جاتی۔ بھابھی نے پوری سچائی سے کہا تھا اور یوں لگا ہماری سب ریاضتوں کا قرض اتر گیا "کوئی انسان اتنا پیارا کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے سوچا مگر کتنے دکھ ہی دکھ ان کی قسمت میں رقم تھے اے اللہ پاک آپ میری بھابھی کی آزمائشیں ختم کر دو میرے مولا تو ان کے اعصاب سے زیادہ بوجھ نہ ڈال ان پر" میں نے پورے خلوص سے دعا مانگی تھی۔ گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے اور میرے دل کی سرزمینوں پر بھی محبت ہی محبت کھیلنے لگی اس سے پہلے تو اپنی خواہشات کی طرف دھیان ہی نہ گیا تھا اور اب دھیان کے سب سامان تیار ہو گئے تو دل بڑے روایتی انداز میں مچل مچل کے خواہشات کر رہا تھا۔ روز بے تحاشہ شاپنگ ہوتی فرح آپی کو بھی ایک ہفتہ پہلے بلا لیا گیا ہمارا خاموش سا بنگلہ خواب نگر بن گیا اماں اور بھابھی آتے جاتے دعائیں دیتیں مگر یہ وقت شدید نہیں تھا شاید۔ مجھے دلہن بنا کر حارث کے بیڈروم تک پہنچا دیا گیا دل پاگل چیخ چیخ کے قہقہے لگا رہا تھا شاید حارث کی سنگت بہت ہی بھائی تھی بری طرح سے ہمک رہا تھا حارث کی قربت کے لئے تبھی ذرا سا دروازہ کھلا اور حارث اندر آ گیا یہ میرے آنے کے فوراً بعد کی بات نہیں تھی چار گھنٹے سے میں اس کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی ایک ایک چیز کا جائزہ لے لیا تھا میں نے حتیٰ کہ قالین کے کلر سے لے کر اے سی کی کمپنی تک مجھے ازبر ہو گئی تھی مگر۔ چلو وہ آیا تو سہی میں اور سمٹ گئی ذرا سی آنکھیں اٹھا کر دیکھیں وہ صوفے پر بیٹھا تھا اس کی آواز وہیں سے آئی بہت دور سے "صندل" اور میرے تمام حواس بیدار ہو گئے رواں رواں سماعت بن گیا "صندل احمد میں حارث علوی پورے ہوش و حواس میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں"۔

لفظ کوڑوں کی طرح میری سماعتوں پر گر رہے تھے میرا سارا بدن زخمی ہو گیا آنکھیں پھٹ گئیں پاؤں اٹھنے سے بے بس ہو گئے پھر بھی میں نے اپنے لہولہو وجود کو گھسیٹا اور اس کے قریب چلی آئی "کیوں حارث کیوں تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو"؟ میں پوری قوت سے چلائی تو اس نے خون رنگ آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں "بالکل ویسے جیسے تمہارا بھائی میری بہن کے ساتھ کر سکتا ہے" "لیکن حارث میرا تو کوئی قصور نہیں میں نے کبھی نہیں چاہا کہ میری پیاری بھابھی اور بچیوں کو کوئی دکھ ملے۔ میں نے تو خود کو سنبھالنے سے پہلے انہیں سنبھالا، ان کے سکھ کے لئے ہر لحظہ دعا کی پھر مجھے کیوں سزا کے لئے منتخب کیا گیا مجھے کیوں حارث تم مجھے صفائی کا موقع تو دیتے میں تمہیں بتاتی کہ۔۔۔۔۔۔

"کیا! یہ بتاتی کہ تمہارا بھائی بے قصور ہے یہ بتاتی کہ میری بہن کی قسمت ہی خراب ہے یا پھر یہ کہ میں بھائی کا فرض بھول کر تمہیں بہت سارے سکھ بہت ساری محبتیں دیتا" وہ پوری قوت سے چلایا تبھی میں نے اس کا گریبان کھینچا۔

"مگر سزا دینے والے تم کون ہوتے ہو حارث ایسے تو تم بھی ان درندوں کی صف میں شامل ہو گئے حارث تم بولنے سے پہلے ایک پل تو سوچتے میں کیا کروں اب میں دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی، لوگ ایک رات کی دلہن پر تھو تھو کریں گے، میں نے کوئی جرم نہیں کیا، میں نے کسی کے ساتھ برا نہیں کیا مجھے سزا کیوں ملی ہائے میں کیسے جیوں گی حارث تم نے بہت برا کیا بہت برا کیا۔ تم نے مجھے سزا دے کر اپنی بہن کو انصاف نہیں دیا بلکہ میری بھتیجیوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ ہائے اللہ پاک میری معصوم بچیاں کوئی نہیں آئے گا ہمارے دروازے پر اب کوئی بھی نہیں آئے گا ہماری بیٹیاں بیاہنے" میں چھاتی پیٹ پیٹ کر رو رہی تھی تبھی میرا دھیان کمرے میں موجود ماں، بھابھی، بچیوں اور چند محلے دار عورتوں کی طرف گیا سب ایک سجی سجائی دلہن کو روتے پیٹتے دیکھ رہے تھے سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور اس سے پہلے کہ میں اماں یا بھابھی کے گلے لگتی حارث کی آواز نے میرے اعصاب کو مفلوج کر دیا۔

"آپی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ اپنے اکلوتے بھائی کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کر سکتی ہیں آپ مانا کہ بہت عظیم ہیں مگر اپنی پاگل نند میرے سر منڈھ دی" اور میں چکرا کر گر پڑی پھر نجانے کیا کیا ہوا بہت دنوں بعد مجھے پتہ چلا کہ میں پاگل ہوں اور اپنے کمرے میں اپنے بیڈ کے ساتھ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے تھے شاید میں چیختی، چلاتی، روتی اور بے ہوش ہو جاتی تھی اور اب ہوش میں آ بھی جاؤں تو سب کو پورا یقین ہے کہ میں پاگل ہوں اپنے بھائی کی بے وفائی کی وجہ سے میرے دل میں وہم بیٹھ گیا ہے کہ حارث مجھے طلاق دے دے گا" جب میں چیخ چیخ کر سب کو بتاتی کہ حارث نے یہ فقرے بولے ہیں تو سب افسوس سے مجھے دیکھتے، بیچاری، بیچاری کہہ کر ادھر ادھر ہو جاتے اور اب میں نے سنا زودار بھائی آ رہے ہیں انہیں پتہ چلا کہ ان کی لاڈلی صندل پاگل ہو گئی ہے تو وہ رہ نہیں پائے فوراً آ رہے ہیں میرا درد بانٹنے اور مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ درد دینے والا درد بانٹے گا کیسے؟ آخر ایسا کیا کرے گا کہ میری رگوں سے درد تحلیل ہو جائے گا۔ کئی دن میں سوچتی رہی میرا جنون بھی کم ہونے لگا میرے اندر حساب کتاب کی ترتیب بننے لگی کہ اب مجھے کرنا کیا ہے۔ تبھی میں نے سنا بھائی آ گئے میں پھرتی سے اٹھی اور نہانے چل دی نہا کر کپڑے بدلے اور آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو وہ وحشت زدہ آنکھیں بھی مجھے گھورنے چلی آئیں۔

"دیکھو میرا راستہ مت روکنا میں جانتی ہوں یہ جنون نسل در نسل نہ چلے پلیز تم میرا ساتھ دو، مجھے کمپوز کرو" میں نے ان پتھریلی آنکھوں کی منت کی تو وہ ذرا سی نم ہو گئیں "اوں ہوں رونا نہیں" میں نے ڈانٹا اور بال بنا کر سلیقے سے ڈوپٹہ کیا بظاہر تو سب ٹھیک لگ رہا تھا مگر بچے بچے کو یقین تھا کہ میں پاگل ہوں تو کبھی کبھی مجھے بھی شک سا ہوتا۔ میں نے دروازے کو کھولنا چاہا مگر اماں ہمیشہ اسے لاک رکھتی تھیں کہ کہیں میں دیوانی گھر چھوڑ کر بھاگ نہ جاؤں مسکراہٹ نے میرے لبوں کو چھوا اور کھڑکی کے پاس چلی آئی "او خدا کا شکر ہے کھڑکی کھل گئی" سامنے سے ایمل گزر رہی تھی میں نے اشارے سے بلایا تو بلا جھجک چلی آئی وہ واحد پاگل پھپھو سے بالکل نہیں ڈرتی تھی ہزار بار چوری چوری آ کر مجھے چوم جاتی تھی اب بھی چلی آئی۔

"جی پھپھو"

دروازہ کھولو ایمل تم جانتی ہو میں پاگل نہیں ہوں۔

"جی پھپھو"

وہ میرے سمجھانے پر سر ہلا کر دروازہ کھولنے لگی اور کھول کر اندر چلی آئی۔

"بڑی پیاری لگ رہی ہو" وہ مجھ سے لپٹ کے بولی اور جھٹ سے گال چوم ڈالا "تو پھپھا آئے ہیں"

"ہوں مجھے پتہ ہے"

پھپھو وہ ذرا بھی نہیں بدلے بلکہ اور بھی زیادہ گریس فل لگ رہے ہیں۔

"ہاں جس کو زندگی نے جتنا پیٹا ہو، برتا ہو اتنا ہی اثر نظر آتا ہے" میں نے کہتے ہوئے آئینے سے نظریں چرائیں "تم جاؤ" "اور آپ" وہ بولی میں آ رہی ہوں بہت خیال رکھوں گی پر اس میں نے اسے تسلی دی۔ تو وہ مسکرا کر چلی گئی۔

اور میں بھی باہر آ گئی مہینوں بعد کھلی ہوا نے مجھے چھوا تھا ٹھنڈک سی اتر گئی میرے اندر کچھ دیر کھڑی در و دیوار کو گھورتی رہی پھر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ اماں، فرح آپی، بھابھی اور زودار بھائی سب چونک کے مجھے دیکھنے لگے سب کے رنگ فق ہو گئے اماں جلدی سے مجھے سنبھالنے کو بڑھیں تو میں اعتماد سے چلتی ہوئی اماں کا ہاتھ پکڑ کر بھائی کے قریب چلی آئی اور وہ ایسے لگا ذرا خوفزدہ سے ہوئے مگر میں نے پاس آ کر اپنا سر ان کے سینے سے لگا لیا، دو پل کمرے میں ہراس رچا رہا اور پھر بھائی کے بازوؤں نے میرے گرد حصار بنا لیا "میں بہت پیار کرتا ہوں تم سے" وہ مجھے بھینچ کر بولے مجھے ملک چھوڑنے کا دکھ تھا نہ کبھی ماں اور بچیوں یا فاطمہ کی یاد نے بے چین کیا نہ کبھی فرح کی فکر ہوئی بس تمہارے لئے من اکثر بے چین ہو جاتا تھا۔

"اسی لئے تو مجھے آزمائش کے لئے چنا گیا جو آپ کو سب سے پیارا ہو گا وہی تو آپ کی کرنی کی سزا بھگتے گا" میں نے ذرا سا ہٹ کر اپنے بیٹھنے کی جگہ بناتے ہوئے کہا تو بھیا کی آنکھیں بھیگ گئیں "صندل میں" وہ بولنے لگے تو میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا وہ مجھے دیکھنے لگے ان کی آنکھوں میں پیار ہی پیار تھا "بھیا اس کی یہ حالت" یہ فرح آپی تھی کوئی اپنی گھڑی ہوئی اپنی سمجھ کے مطابق وجہ بتانے لگی تھی میں نے اسے بھی روکا "بھیا میں پاگل نہیں ہوں کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں؟ انہیں مجھے نہیں لگتا میری جان" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر چوما "بلکہ مجھے تو لگتا ہے یہ سب کسی کی سازش ہے انتقام لینے کا طریقہ" زودار بھائی نے بھابھی کو گھورتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تو کمرے میں موجود نفوس میں حیرت اور سناٹا بڑھ گیا۔

"ہاں بھیا یہ سراسر سازش ہے" میں بولی تو سب اپنی جگہ پر تڑپ کر جانے میں کیا کہنے والی ہوں ایک لمحہ خاموش، روتا، سسکتا گزر گیا تو میں بولی مگر یہ تقدیر کی سازش ہے بھیا یہ قدرت کا انتقام ہے۔ آپ کو اگر مجھ سے محبت ہے اپنی لاڈلی بہن سے تو حارث کو بھی اپنی بہن سے بے تحاشا محبت ہے آپ سے بھی زیادہ اسی لئے تو وہ اپنی محبت کو مٹی میں رول گیا۔ "تم ایکی سائیڈ مت لو" بھیا تڑخ کر بولے تو میرا دھیان ان کے ساتھ بیٹھے سرخ و سفید لڑکے کی طرف گیا جس کی سبز آنکھوں میں بہت خوف تھا مجھے حسرت ہوئی تو بھیا نے فوراً اس کا تعارف کرایا "علی تمہارا بھتیجا، میرا بیٹا، یار تھا سے طلاق کے بعد علی میرے پاس ہی ہے" بھیا نے فخر سے کہا تو میں نے ایک لخت ایمل، سنبل، ردا اور حنا کی طرف دیکھا ان کے چہروں پر نرم سا پیار تھا میں نے علی کی طرف دیکھ کر بازو پھیلا دیئے تو وہ دوڑ کر میری بانہوں میں سما گیا۔ میں نے اسے گود میں بھر لیا "تم نے تو خود کو تباہ ہی کر لیا صندل اپنی حالت ٹھیک کرو میری جان دیکھو کسی ایسے چھوڑ کر گیا تھا میں تمہیں" میں بھیا کے علی سے پیار کر رہی تھی تو انہیں مجھ پر اور بھی پیار آ گیا۔

"بھائی آپ پر میرا بہت قرض ہے میں نے آپ کی ذمہ داریاں سنبھالیں، آپ کے بچوں کی پرورش کی، آپ کی وجہ سے میری اور حارث کی محبت انتقام کے بھینٹ چڑھ گئی، حارث نے جو کچھ بھی کیا مجھ سے نظریں نہیں ملا پایا اس لئے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا مگر اپنی بہن سے زیادہ نہیں"

میں ایک لمحے کے لئے رکی تو بھابھی نم آنکھوں سے میرے پاس چلی آئیں اور میرے کندھوں کے گرد اپنے بازو پھیلا کر بولیں "چندا میں حارث کو کبھی معاف نہیں کروں گی کبھی بھی نہیں" وہ رو رہی تھیں تو میں بھی رو دی آنسو گالوں پر پھسلتے ہی جا رہے تھے میری بچیاں بھی ارد گرد آ گئیں وہ بھی رو رہی تھیں۔ "بھائی ہم بددعا کے زیر اثر ہیں بھائی آپ کو علی مل گیا تو گھر برباد ہو گیا اس کی کٹھن پرورش خود کرنی پڑی بھائی میں بھابھی سے کہتی ہوں وہ انہیں معاف کر دیں خلوص دل سے آپ بھی ان سے معافی مانگو تاکہ ہماری ایمل، سنبل، ردا، حنا اور علی کی زندگیاں برباد نہ ہوں۔ تبھی فرح آپی بھی بھائی کے قریب چلی آئی "بھائی پلیز آپ پوری سچائی سے بھابھی سے معافی مانگو تاکہ ہماری آزمائش ختم ہو جائے۔ بھائی میں نے بھی بہت طعنے سنے ہیں بہت دکھ برداشت کئے ہیں مگر پیچھے کیسے آتی ہمارے پاس تو بھائی کا مان ہی نہیں تھا" ہم

سب نے پہلی بار فرح آپی کو دیکھا واقعی وہ بہت کمزور لگ رہی تھیں۔ مجھے شرمندگی ہوئی کہ ہم نے اپنے اپنے دکھوں میں فرح آپی کی طرف کبھی توجہ ہی نہ دی تھی وہ اپنی جنگ خود ہی لڑتی رہیں "مگر میں نے کبھی آپ لوگوں کو بددعا نہیں دی" بھابھی زور سے چلائیں وہی بددعا تو عرش تک جاتی ہے جسے لفظ نہیں مل پاتے یہ بھائی کی آواز تھی ہم سب انہیں دیکھنے لگے وہ بہت شرمندہ نظر آرہے تھے ایک دم بوڑھے لگنے لگے۔ میں انا کے زعم میں واپس نہیں آسکا مگر مجھے اندازہ تھا کہ میں نے جو دکھ تمہیں دیئے ہیں ان کی سزا میری بہنوں کو مجھے اور خدانہ کرے میری بیٹیوں کو "خدانہ کرے" ملے۔" "میں کبھی بھی اپنے پیاروں کو بددعا نہیں دے سکتی" بھابھی تڑپ کر بولیں تو بھائی نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ فاطمہ تم مجھے معاف کر دو اور اپنے رب کے حضور بھی میری معافی کی درخواست کرو پلیز جتنی تباہی ہو گئی اس سے زیادہ سے اللہ ہمیں بچالے۔

بھائی گڑگڑا کر بولے تو میں علی کو لئے اپنے کمرے میں چلی آئی اس کے گالوں کو چوما اور اچانک میری نظر آئینے پہ جا پڑی پھر ٹھہر ہی گئی آج میرے چہرے پہ میری اپنی آنکھیں تھیں پرسکون اور پر ملال کہ دکھ تو

آخر دکھ ہے ناں

وحشت نہ دے گا تو

ملال بن کر آنکھوں میں

ٹھہرا رہے گا

☆☆☆☆

شبو

فضا آج پھر بوجھل تھی عجب سوگواریت چھائی ہوئی تھی۔ میں چلتا تو پتے یوں پاؤں کے نیچے چرمراتے جیسے رو رہے ہوں۔ بین کر رہے ہوں اور مجھے پاؤں اٹھانا پڑتے غیر ارادی طور پر بھی سنبھلنا پڑتا کہ کہیں میری وجہ سے انہیں تکلیف نہ ہو رہی ہو لیکن ایک میرے سنبھلنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اردگرد چلتے بے فکرے چہروں کو دیکھا جو سب جلدی میں نظر آ رہے تھے۔ چہرے اتنے خالی اور سپاٹ کہ دماغ کے چوپٹ ہونے کے غماز نظر آتے تھے "میں پاگل تو نہیں ہوتا جا رہا" یہ وہ سوال ہے جو پچھلے کئی سال سے میں اپنے آپ سے کر رہا تھا۔ مگر جواب نہیں ملتا تھا شاید میں ڈھونڈتا ہی نہیں تھا اپنے آپ کو جوابدہ ہونے کا وقت ہی نہیں دے رہا تھا جانتا تھا ناں کہ ذرا جو دل دماغ کی عدالت لگی تو بس جنگ ہی چھڑ جائے گی یعنی بات نکلے گی تو دور تلک جائے گی یہ جنگ ایسی توڑ پھوڑ کرتی تھی کہ میری ذات بکھرنے لگتی۔ میں جو بڑا رائے احمد حسن زمینوں، جائیدادوں کا مالک امیر اور معزز آدمی بنا پھرتا ہوتا پل بھر میں ذرہ ہو جاتا۔ صفر جو گول دائرہ ہے، اور دائرے ہی دائرے خالی خولی میرے اطراف گھومتے رہ جاتے۔ بس اسی لئے بچتا تھا میں خود سے۔ ایم ایس سی کیا ہوا تھا اور ایک فرسٹ کلاس ایڈورٹائزنگ کمپنی میں اس لئے جاب کرتا تھا کہ یہ پبلک ریلیشنز کی جاب تھی۔ سارا دن لوگوں سے ملنا ملانا۔ طرح طرح کی ڈیلنگ اور بھانت بھانت کے مزاج مل کر مجھے خود سے ملنے کا وقت نہ دیتے تو یوں مجھے اپنی جاب سے کافی پیار تھا۔ پیار "چلو رات بہت ہو رہی ہے" میں زیر لب اپنے آپ سے بولا اتنا کہ اپنی آواز خود بھی سن سکوں اور کسی اور بارے کچھ نہ سوچوں۔ وہ لفظ پیار جو میرے ذہن میں آیا تھا آج میں بڑے تک سک سے تیار ہو کر نکلا اور پبلک ٹرانسپورٹ میں آ بیٹھا۔ جس علاقے میں آج جانا تھا وہ خاصا پسماندہ تھا۔ چینجنگ کیلئے پبلک ٹرانسپورٹ میں جانا لگتا تو عجیب تھا مگر میں اکثر عجیب حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ آ کر بیٹھا تو گاڑی چل پڑی خوب شور تھا۔ جگہ جگہ رکتی رنگ برنگی آوازیں مل کر زندگی کو قائم رکھے ہوئے تھیں۔ میں شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔ باہر بھی گہما گہمی تھی، زندگی بھاگتی جا رہی تھی۔ تبھی کسی نے چھو کر مجھے متوجہ کیا اور میں نے دیکھا تو جیسے پتھر ہو گیا۔ بے انتہا خوبصورت لڑکی تھی۔ سرخ چمکتا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ ناک میں موٹی سی سونے کی لونگ پہنی ہوئی تھی اور خود بھی جیسے دہک رہی ہو۔ میں نے سنبھل کر پوچھا "جی" تو وہ ادا سے مسکرا دی اور ایک کارڈ مجھے تھما دیا پھر میں دیکھتا رہا ایسا ہی کارڈ اس نے بیسیوں لوگوں کو دیا کسی نے اسے سو کا نوٹ دیا کسی نے 50 کسی نے دس بیس۔ "کیا ماجرا ہے؟" میں سمجھ نہیں سکا وہ پھر میرے پاس آ رکی میرا ہاتھ بھی غیر ارادی طور پر جیب میں گیا اور پتہ نہیں میں نے کتنے کا نوٹ دیا وہ دیکھ کر دل سے مسکرا دی اور اتر گئی لوگ اس کے بارے میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ "یہ کون تھی بھائی؟" میں نے اگلے شخص سے اسی کی زبان میں پوچھا تو وہ استہزاء سے ہنسا اور مجھے دیکھتا رہا "اتنا بھولا تو بابو آج کل کوئی بھی نہیں کارڈ دیکھو سب پتہ چل جائے گا" مجھے بہت برا لگا میں نے اپنے آپ کو ڈانٹا "آئندہ کبھی بس میں سفر نہیں کروں گا" کارڈ دیکھے بغیر جیب میں ڈالا اور کڑھتا رہا۔

لیکن رات کو جب سونے کیلئے لیٹا تو وہ سرخ و سفید سنہری بالوں اور سنہری آنکھوں والی چھم سے میری آنکھوں میں اتر آئی میں کچھ دیر پڑا سوچتا رہا کہ کیسی رنگ برنگی دنیا ہے تیری اے مالک پاک پروردگار اور پھر اٹھ کر میں نے لٹکی ہوئی، پینٹ کی جیب سے کارڈ نکالا (شبو No No) نام کے ساتھ دو نمبر لکھے تھے میری تو نیند ہی اڑ گئی۔ سیدھا ہو کے بیٹھ گیا اور موبائل پہ نمبر ڈائل کرنے لگا حالانکہ مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی بالکل بھی لیکن بس انسانی فطرت میں تجسس کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ نمبر ڈائل کرتے کرتے انگلیاں دکھنے لگیں مگر کوئی نہیں تھا ادھر۔

"آخر یہ سب کیا ڈرامہ ہے؟" میرا دماغ پھٹنے لگا اس کی دلکش صورت آنکھوں سے ہٹنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی میں نے دھیرے دھیرے کنپٹیاں دبائیں۔ خود کو ارادتاً ریلیکس کیا اور چادر کھینچ لی۔ آنکھیں بند کیں تو ایبا کی ہنستی کھلکھلاتی شکل بھی آنکھوں کے سامنے اترتی چلی آئی وہ تو روز آتی تھی۔ ہر رات، ہر لمحہ چلتے پھرتے۔ مگر آج پانچ سال بعد کوئی اور صورت بھی مجھے تنگ کر رہی تھی ورنہ تو مجھے لگتا زمانے میں کچھ باقی نہیں نہ نظر اٹھتی نہ کسی چہرے پہ ٹکتی۔ بس ایبا کی محبتیں، یادیں، بے وفائیاں ہی ہمراہ تھیں۔ ایبا میری کلاس فیلو تھی۔ پہلے دن ہی وہ آئی تو کافی گھبرائی ہوئی تھی فارم تک لینے نہ آتے تھے میں نے اخلاقیات نبھاتے ہوئے مدد کر دی اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ اخلاقیات محبت میں بدلتی گئیں وہ نہایت عام سی تھی۔ سانولی سلونی بس کالی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں ہی اس کی طرف سب کو کھینچتی تھیں۔ میں بہت خوبرو، امیر کبیر بقول دوستوں "شہزادہ" تھا بالکل۔ مگر مجھے ایبا ایسی بھائی کہ دل جو سوچ کے آیا تھا کہ یونیورسٹی لائف کو خوب انجوائے کرتا تھا بھول بیٹھا اور ایبا کی محبتوں پہ دو زانو ہو کے بیٹھ گیا۔ میں نے بھی زیادہ ضد نہ کی اور میرے دل پاگل نے تو حد کر دی ایبا سے محبت کی۔ بات چھوٹی لگے گی مگر میں نے ایبا کو بہت کچھ دیا، بہت پیار، بہت پیسہ، بہت سی ضروریات اس کے کہے بغیر پوری کر دیں میں نے، وہ میری ہی بدولت شہر میں سیٹ ہو سکی۔ دھیرے دھیرے اس کا اعتماد بحال ہوتا چلا گیا اور اس کے دوستوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے دوستوں میں لڑکوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی تو میرا دل پھر کڑھنے لگا اور میں نے اسے پروپوز کر دیا وہ سر جھکائے مسکراتی رہی اور پھر اتنا ہی بولی "پڑھائی تو ختم ہو لے پھر سوچیں گے" اور مجھے لگا یہ اقرار تھا اس کی طرف سے۔ اقرار محبت پا کر میں نے امی، ابا جی کو بھی اس کے متعلق بتا دیا اور اب تو میں ہر وقت ہواؤں میں اڑتا تھا۔ میں محبت کے معاملے میں بالکل روایتی تھا اور مجھے محبتیں اپنی پوری اصلیت کے ساتھ ہی بھاتی تھیں مجھے یاد ہی نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی ایبا کے سوا کسی کو چاہا ہو۔ ہاں میرے اردگرد نظروں، خواہشوں اور محبتوں کا ہمیشہ میلا رہا۔ ہر دوسری لڑکی کی آنکھوں میں میرا عکس جھلکتا دکھائی دیتا مجھے اچھا لگتا یہ سب۔ مگر میں نے زندگی کو منصوبہ بندی کے ساتھ گزارنے کا ارادہ کیا تھا سو ہر لمحہ ایبا کو اپنے گھر میں دیکھتا اور یہ الوژن نجانے کب تک چلتا اگر میں ایبا کو یہ کہتے نہ سن لیتا۔

"اذہر تم یقین کرو میری آنکھوں میں صرف تمہارے خواب ہیں میں نے کسی اور کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں احمد حسن کے مجھ پہ بہت احسان ہیں اسی لئے اس سے بات کرنا پڑتی ہے ورنہ اس جیسے چیپ لوگوں سے مجھے سخت نفرت ہے"۔

"مگر وہ تو سب سے کہتا پھرتا ہے کہ ہماری شادی ہو رہی ہے دو ماہ بعد، ایبا میں تمہارے بغیر نہیں جی سکوں گا ایبا پلیز" اس نے ایبا کے ہاتھ پکڑے تو وہ میرے دل کی مسند سے دھڑام سے نیچے جا گری اور پھر میں نے ان آخری دو مہینوں میں بہت سے عشق کر ڈالے۔ حسین سے حسین اور امیر ترین لڑکیاں جان دیتی تھیں مجھ پہ مگر میرے اندر اب کسی کے ساتھ کی تمنا نہیں رہی تھی یونہی ضد میں سب کر رہا تھا۔ محبت تو مر گئی بے اعتمادی کی موت۔ میرے کانوں نے ایبا کو ایسے ہی فقرے بہت سے لڑکوں کے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتے سنا تھا اور میرے اندر عورت کے خلاف زہر ہی زہر بھر گیا تھا یہ زہر ہی میرا

ساتھی تھا۔ امی اباجی بہت تنگ کرنے لگے تھے کہ شادی کرلو، بس اب بہت جوگ لے لیا مگر جوگ کا بھی کوئی انت ہوتا ہے میں یہاں شہر میں آبسا۔ اکیلا ہی۔

اگلی صبح میں تیار ہو کے نکلا گاڑی کو چابی لگائی تو وہ دلکش صورت پھر آنکھوں میں اتر آئی اور نجانے کیا ہوا میں نے بیگ کندھے پہ ڈالا اور گیٹ لاک کرکے نکل آیا بس میں آ بیٹھا تو نظریں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں آج تو اس کی گوری باہنوں میں سرخ چوڑیاں بھی یاد آرہی تھیں مگر وہ نہیں آئی میرا دل چاہ رہا تھا کسی سے اس کے بارے میں پوچھوں مگر کس سے؟

نجانے کتنے ہی روز میں بسوں میں دھکے کھاتا پھرا بے مقصد اور پھر میں اپنی گاڑی میں بھی اسی رستے سے آنے جانے لگا۔ ایسے ہی مایوس ہوتے دنوں میں ایک دن وہ نظر آ گئی۔ سیاہ تنگ لباس میں سلور چوڑیوں اور پائل کے ساتھ ناک میں سفید چمکتی لونگ۔ میں دور سے دیر تک اسے دیکھتا رہا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ بس میں چڑھتی میں نے گاڑی زن سے اس کے آگے روک دی وہ اچھل کے پیچھے ہٹی ایک لمحے کو اس نے مجھے دیکھا آنکھوں میں شناسائی چمکی۔ مگر معدوم ہو گئی "بابو گاڑی ہٹاؤ" وہ گھرک کر بولی تو میں نے شیشہ نیچے کیا اور سر نکال کر بولا "تم جھوٹ بیچتی ہو یہ نمبر تو کسی کے بھی نہیں ہیں"۔

"تمہیں کیا سچ بیچوں کہ جھوٹ؟" وہ چلائی۔

"مجھے دو یہ سارے کارڈ اور یہ لو نوٹ" میں نے بہت سارے نوٹ آگے کیے تو وہ غصے سے لال سرخ ہو گئی "اپنی اوقات میں رہو زیادہ دولت کا رعب نہ دکھاؤ صاحب"۔

"تم یہ کیا کر رہی ہو، کیا ہے یہ؟ بھیک مانگنے کا اسٹائل یا پھر۔۔۔۔؟" میں نے اسے تپانے کیلئے فقرہ ادھورا چھوڑا تو اس نے سونے جیسی آنکھوں سے مجھے گھورا اور پھر وہ چار بھاری سی گالیاں بکیں مگر میری الجھن مجھے ہنسنے نہ دے رہی تھی میں دیکھتا رہا۔

"تم جو چاہتے ہو وہ میں نہیں کر سکتی، بھیک ہی مانگتی ہوں، بس اللہ پاک نے یہ منحوس صورت دے دی اور کچھ بھی نہ دیا" وہ رکی لوگ ارد گرد جمع ہونا شروع ہو گئے اور میں جیسے کسی انجانی قوت کے زیر اثر تھا گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"تم یہ جھوٹے کارڈ کیوں دیتی ہو؟" میں چلایا تو اور بھی کئی لوگ بولے "ہاں اس نمبر سے تو کوئی بولتا ہی نہیں سندری؟"

"تو جھوٹ بول کے لوٹتی ہے لوگوں کو؟" کوئی اور بولا تو وہ رو پڑی اور پورے زور سے چلائی۔

"میں جھوٹ بول کے نہ لوٹوں تو لوگ مجھے لوٹ کے نوچ کھائیں، بابو تم نے تو میرا تماشا ہی بنا دیا۔ اتنے سالوں سے یہ کاروبار کر رہی تھی تم نے سب برباد کر دیا۔ وہ روئے جا رہی تھی میرے دل کو کچھ ہوا میں نے آسمان کی طرف دیکھا، یا اللہ جی معاف کرنا مجھے اس کی بددعا نہ لگ جائے۔"

"تم دھندا کر دیا بھیک مانگو" کوئی چلایا میرے بھی دل کی آواز تھی وہ اور زیادہ چلا کر بولی "کوئی صرف ہاتھ پھیلانے سے بھیک دے گا مجھے؟"۔ "میرا بابو کینسر کا مریض ہے سات چھوٹے بہن بھائی اماں مر گئی اور میں ان ساتوں کی ماں بھی ہوں اور باپ بھی۔ مگر بابو تیری یہ جیا دو دھاری تلوار ہے مجھ جیسی کو نہ بھیک دیں گے اور میں اپنے بچوں کو مرتے کیسے دیکھوں؟"

"یہ کارڈ پہ لکھا نمبر جھوٹ ہے بابو تو کیا ہوا ساری دنیا ہی جھوٹ بولتی ہے اک میں ہی کیوں مجرم؟" وہ ابھی بھی رو رہی تھی کافی لوگ شرمندہ نظر آ رہے تھے میں بھی" میں نے سب سچ بتایا ہے کسی نے مجھے دو آنے بھی دیئے؟ سب حرص کا سودا ہے بابو سب اپنی حرص خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں میں اپنی منحوس صورت سے تم لوگوں کی جیبوں تک پہنچتی ہوں اور تم لوگ اس نمبر کے ذریعے مجھ تک پہنچنا چاہتے ہو اس وجہ سے غصے میں ہو کہ پہنچ نہیں پاتے، ہاں یہ نمبر جھوٹ ہے مگر میرا اللہ جانتا ہے میں سچ ہوں بالکل سچ۔ میں کوئی غلط کام نہیں کرتی، کر ہی نہیں سکتی بس اس لئے" وہ پھر ہچکیوں سے رو دی تو سب طرح طرح کے فقرے کستے، وہاں سے ہٹنے لگے وہ زمین پر بیٹھی ابھی تک رو رہی تھی جو کائنات کے وجود جیسا خالص سچ تھی تبھی تو اس کے چہرے پر اتنا نور تھا کہ نظر ہی نہ ٹھہرتی میں قریب چلا آیا۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟"

"بابو" وہ پوری قوت سے چلائی جیسے میں پاگل ہوں۔

"بولو، میں رائے احمد حسن پڑھا لکھا، کھاتا پیتا نوجوان" میں ہنسا اور من جیسے شانت ہو گیا وہ ابھی بھی منہ کھولے دیکھ رہی تھی اور پھر بے اختیار ہو کر میرے قدموں میں گر گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ میری دوسری محبت ہے میری پہلی محبت جھوٹ تھی اور شبو میرا سچ۔ میں نے پوری سچائی سے اس سے محبت کی میرے اندر کا سارا زہر دھیرے دھیرے زائل ہوتا گیا۔ شبو کی وفاؤں نے میرے اندر زندگی زندہ کر دی اور میں خود سدا کا محبت شناس، شبو کو عزت سے گھر لے گیا امی اباجی سے کہا کہ دوست کی بہن بیاہ کر لایا ہوں وہ مجسم وفا تھی کبھی لوٹ کر واپس نہ گئی اپنوں میں۔ میں ہی ان کا خیال کرتا کہ مجھ پر فرض تھا۔

☆☆☆☆

پارسائی

تم

تم جس خواب میں آنکھیں کھولو

اس کا روپ امر

تم جس رنگ کا کپڑا پہنو

وہ موسم کا رنگ

تم جس پھول کو ہنس کے دیکھو

کبھی نہ وہ مرجھائے

تم جس حرف پہ انگلی رکھ دو

وہ روشن ہو جائے

مہینوں سے اس کے موبائل پہ ایسے ہی پیارے ایس ایم ایس آ رہے تھے وہ پڑھتی جاتی تو لب مسکراتے جاتے اور دل تو بالکل ہاتھوں سے ہی نکلا جا رہا تھا۔ آپ ہی آپ موربن کے ناچتا رہتا وہ سمجھاتی کہ پاگل گھر والوں نے مجھ پہ اعتبار کر کے موبائل لے دیا ہے۔ سب بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے۔ میری دیر سویر سے پریشان ہو جاتے ہیں تو دل کھلکھلا کے ہنس پڑتا "ذرا سی خوشی تو ہے یہ خوبصورت سا احساس مجھے جینے دو پلیز" دل لجاجت سے اٹھلانے لگتا تو وہ ہار جاتی اور ایک ایک لفظ پھر پڑھنے لگتی۔ رگ و پے میں سکون اترتا جاتا۔ چاہے جانے کا احساس اسے اپنے اطراف سے بیگانہ کر دیتا تو وہ پھر کہتا:

یہ شب یہ خیال و خواب تیرے

کیا پھول کھلے ہیں منہ اندھیرے

آمنہ ابھی کتنا کام باقی ہے بیٹا" امی تولیے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھیں تو وہ مسکراتی ہوئی ان کے قریب چلی آئی اور ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"بس چند ماہ پھر آپ کی بیٹی پوری مصورہ بن جائے گی" "ویسے کیوں؟"

"آمنہ میں چاہتی ہوں اسد اور احمد کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی وداع کر دوں۔ بیٹا میں نے اور تمہارے بابا نے بہت ہی لاڈ اور پیار سے تمہیں پالا ہے ہمیشہ تمہاری ہر خواہش ہر خوشی پوری کی ہے۔ بھائی بھی بہت چاہتے ہیں تمہیں اس لیے گھر میں بھابھیاں آنے سے پہلے پہلے میں تمہیں رخصت کر دینا چاہتی ہوں۔ اپنا اپنا سوچنے کا نظریہ ہے ناں بس میں چاہتی ہوں میری بیٹی سے کسی کو کوئی اختلاف نہ ہو۔ کوئی اسے بوجھ نہ سمجھے بس ذرا سی بات ہے مگر۔۔۔۔"

"امی تو اس میں اتنا فکر مند ہونے کی کیا بات ہے"

جیسے مرضی کریں آپ بس ذرا ہم سے بھی رائے لے لیجئے گا"

آمنہ ہنستے ہوئی اٹھلائی تو زینت مسکرا دیں اپنی معصوم سی بیٹی کو دیکھ کر۔

وہ دلنواز ہے لیکن نظر شناس نہیں

مرا علاج مرے چارہ گر کے پاس نہیں

آمنہ نے مسکرا کر آسمان کی طرف دیکھا جیسی تھرتھراہٹ SMS آنے سے موبائل میں ہوتی تھی بالکل ویسی ہی تھرتھراہٹ تو اس کے پور پور میں سمانے لگتی تھی وہ دیر تک لفظوں پہ نگاہیں ٹکائے رہی اور پھر دوسرے ہاتھ سے برش رکھ کر ذرا فاصلے پر پڑے صوفے پہ جا بیٹھی۔

"تو کیا کیا جائے؟" اس نے جواباً ایس ایم ایس کیا۔

آج مہینوں بعد پہلی بار مختصر سا جواب دے کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ دل پسلیوں سے باہر آنے کو بے تاب تھا۔

تو بدگمان ہے میری وفا پہ صرف ایک بار آزما لے

جو ہار جاؤں تو لوٹ جانا جو جیت جاؤں تو مان جانا

پھر لفظ ناچ رہے تھے محبت کے ساز پر تو اس نے بے بسی سے لفظوں کو دیکھا اور بار بار پڑھ ڈالا۔

"تجھے کیا ہو گیا ہے میں تو سامنے بیٹھے کسی شخص سے متاثر نہیں ہوتی پھر اب کیا ہو رہا تھا۔ ایک بالکل ہی انجانی اور غیر یقینی کیفیت اس پہ غالب ہوتی جا رہی تھی تبھی اس نے ہار مان لی اور ماں کے پاس چلی آئی ابھی بیٹھنے ہی لگی تھی کہ پھر تھرتھراہٹ نے آنکھیں نم سی کر دیں اس نے دھندلی آنکھوں سے موبائل کو دیکھا:

سب دعاؤں میں یہی حرف اثر پیارا لگے

عمر بھر چاہوں تجھے تو عمر بھر پیار لگے

اس نے ماں کے سامنے موبائل کر دیا "کلیم حیدر ایم بی اے کیا ہوا ہے"

"تو آج کل ہر دوسرا تیسرا شخص ایم بی اے ہے اور زینت آراء نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل پکڑا وہ لمحوں میں آگہی کی تمام منزلیں طے کر گئیں۔ ماں جو تھیں یہ رشتہ ہی ایسا ہے نبض شناس اولاد کی رگ رگ سے واقف' تصویر پر کچھ پل نگاہیں ٹکائے رہیں۔

"تصویر تو اچھی ہے مگر ضروری تو نہیں اسی کی ہو' یہ بھی ضروری نہیں وہ ایم بی اے ہو اور یہ بھی تو ضروری نہیں ناں میرا بچہ کہ وہ کلیم حیدر ہو یہ سب محض جھوٹ' فراڈ بھی تو ہو سکتا ہے" ماں کے لہجے میں اندیشے ہی اندیشے سنسنا رہے تھے۔ "ماں پلیز! ڈرا ئیں ناں" آمنہ قریب ہو کر بیٹھ گئی مگر دل اس شخص سے دستبردار ہونے کو تیار ہی نہ تھا وہ کچھ پل کو گومگو کی کیفیت میں رہی اور پھر سنبھل سنبھل کر بولی۔

"ماں ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے جیسے سب جھوٹ' فراڈ یا وہ بہترین انسان ہو۔ یمی خالہ اور رحمان انکل کی طرح وہ بھی تو نیٹ پہ ملے تھے ناں اور آج ہمارے سامنے ایک بھرپور زندگی گزار رہے ہیں اور واہمے' ڈر' اندیشے تو ہر صورت ہوتے ہیں ناں۔ ماں جب ہم نئے لوگوں سے رشتہ جوڑتے ہیں جیسے بینا پھوپھو کو دیکھیں دادا ابو نے حسب نسب' خاندان' تعلیم' شرافت سب دیکھا' جانچا تھا ناں پھر بھی ان دونوں کی نہ بن سکی تو؟"

"تو تم چاہتی ہو ہم اسے بلائیں' دیکھیں اور اگر سب تمہاری سوچ اور امیدوں کے برعکس ہوا تو" زینت آراء نے ساری بات سمیٹ کر اسی پر چھوڑ دی تو وہ اپنی لانبی گھنی پلکیں جھپکا کر لاڈ سے بولی "پتا نہیں پھر...... ماں پلیز یوں اکیلے میں فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے"۔

"او کے! اسے کہو اپنے پیرنٹس کو بھیج دے"۔ زینت آراء نے مضبوط دل کے ساتھ فیصلہ سنا دیا اور پھر رات کو ہی اپنے میاں ظفر خان اور بیٹوں کو بتا دیا کہ ان کی کسی دوست کی وساطت سے ایک رشتہ آ رہا ہے باقی چھان بین آپ لوگ کر لینا۔ یہ سب تو دنیا داری کے تقاضے تھے جو انسان کو مرحلہ وار پورے کرنا ہی پڑتے ہیں ورنہ جوڑے تو آسمانوں پہ بن چکے ہوتے ہیں اور یہ رشتہ بھی تقدیر کے قلم سے رقم ہو چکا تھا۔ تبھی وہ سب مراحل کے بعد آمنہ کلیم بن کر کلیم حیدر کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ ان دونوں کا جوڑ اس قدر خوبصورت' مکمل' تعلیم یافتہ اور ایک دوسرے پہ جان لٹانے والا تھا کہ آمنہ اور اس کی پیاری ماں کے سب وسوسے دم توڑ گئے۔ آمنہ کو تو لگتا زندگی سب کے لیے محبت ہی محبت ہوتی ہے۔ خوشی ہی خوشی لوگ بے وجہ شکوے کرتے ہیں بھلا وہ خالق' رب کریم جو پالنہار ہے کسی کو دکھ کیوں دے گا؟ مگر وہ دکھ دیتا ہے۔ دکھ دے کر انسان کے حوصلے اور صبر کو آزماتا ہے۔ آخر انسان کے دنیا دار دل کو سو من بھی تو کرنا ہوتا ہے۔

"آمنہ تم نقاب کیوں نہیں کرتیں" کلیم اس کے پاس آ کے بولا نجانے کیوں یہ سوال اس کے دل میں بہت دنوں سے مچل رہا تھا۔ آمنہ مسکراتی رہی وہ چھلکتی آنکھوں سے اس کی لمبی لمبی سیاہ آنکھوں اور گلابی گالوں کو دیکھ رہا تھا۔ "بولو ناں" وہ ساحر سے لہجے میں بولا تو وہ کھلکھلا دی۔

"ضروری نہیں تمہیں پیاری لگتی ہوں تو سب کو لگوں۔ وہ اٹھلا کر بولی۔

"ویسے کبھی کیا ہی نہیں" "اور تم کہو تو کر لوں گی" وہ اسی طرح اٹھلا کر بولی تو کلیم نے فوراً کہا "آمنہ تم نقاب کر کے نکلا او کے" "او کے" آمنہ نے کندھے اچکائے تو وہ اس کے ہاتھ چوم کر بولا "آئی لو یو سویٹ ہارٹ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ"

"وضاحتوں کی ضرورت نہیں کلیم حیدر"

وہ ادا سے بولی

آمنہ شادی کے بعد گھر سے باہر جاتی ہی نہ تھی اسے لگتا اس کی چھوٹی سی جنت میں تمام سکھ ہیں' تمام تر خوشیاں۔ کلیم کی ماں جی کو شہر میں رہنے کی عادت نہ تھی وہ واپس گاؤں چلی گئیں۔ کلیم حیدر ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں مارکیٹنگ منیجر تھا۔ آمنہ کے والدین بھی بہت مطمئن تھے۔ بس بیٹی کے کم آنے کا شکوہ کرتے مگر اسے خوش دیکھ کر خوش ہو جاتے' پرسکون ہو جاتے۔

آمنہ کو جو چاہیے ہوتا کلیم گھر لے آتا' یہاں تک کہ کپڑے اور جوتے دکاندار گھر لاتا' آمنہ کو پسند کروا کے لے جاتا اور پھر کلیم حیدر خود لے آتا۔ کھانے پینے کے سب سامان کی فراوانی کیے رکھتا۔ کام کرنے والی عورتوں پر اسے اعتبار نہیں تھا تو آمنہ بھی بہت پیار سے سب کچھ خود کرتی رہتی۔ وہ آفس جاتے ہوئے باہر سے تالا لگا جاتا۔ "جان میں لاک کر جاتا ہوں تم ریسٹ کرو تم کیوں تکلیف کرتی ہو" وہ کہتا اور آمنہ اپنی خوش بختی پہ نازاں تکیوں میں منہ دے کر سو جاتی۔ کلیم حیدر کا وجیہہ سراپا بھی چھم سے آنکھوں میں اتر آتا۔ مسکراہٹ ہونٹوں سے الگ ہی نہ ہو پاتی۔ تبھی کلیم کو کمپنی کی طرف سے آسٹریلیا جانے کی آفر ہوئی۔ آمنہ تو بہت خوش تھی "کلیم زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے' اچھا ہے ناں ایک چانس ملا ہے اسے انجوائے کرو' لوٹ کر تو گھر ہی آنا ہے ناں" وہ اس کی بے بس سی صورت دیکھ رہی تھی۔

"مگر میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟" "جیسے روز جاتے ہو باہر سے لاک کر جانا" وہ قہقہہ لگا کر ہنستی ہوئی قریب چلی آئی مگر کلیم کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تمہیں پتا ہے آمنہ انسان اپنی ابتداء سے ہی محبت کے معاملے میں غیر محفوظ تصور کرتا ہے خود کو۔ جب تک اسے "تیرے اور میرے" کی پہچان نہیں تھی تب تک تو ٹھیک تھا مگر پھر محبت نے آگہی بن کر دلوں میں دراڑیں بنانا شروع کر دیں۔ انسان نے اپنی پسند کے رشتوں کو اپنانا شروع کر دیا۔ پھر عزت و احترام کے پیمانے بنائے گئے گھر اور چار دیواری کا تصور امڈ کے آیا تو محبت نے ذرا سی سکھ کی سانس لی۔ انسان کو عجیب طرح کی خوشی اور غرور گھیر لیتا ہے۔ ایسی جب وہ یہ لفظ بولتا ہے ناں میرا گھر' میرے بچے' میری بیوی' میرے ماں باپ' میرے اپنے' تو وہ خود پر نازاں ہوتا ہے، بہت خوبصورت سے احساسات جڑے ہیں ان رشتوں کے ساتھ"۔

"ہاں مگر بھروسہ بھی ضروری ہے۔ کلیم جیسے ہم دونوں کے درمیان محبت ہی محبت ہے اور محبت بھروسے کے بغیر کچھ بھی نہیں تم جلدی آ ؤ یا دیر سے کہیں بھی جاؤ' کیسا بھی کپڑا پہنو' کوئی تمہارے بارے میں کچھ بھی کہے' مجھے سنائی ہی نہیں دیتا۔ بس محبت دائرہ بنا لیتی ہے' میرے گرد تمہارے لفظ' تمہارے لہجے' تمہارا پیار' تمہارا ساتھ ہی ضروری ہے' میرے لیے" "وہ رکی" "اور یقیناً تمہارے لیے بھی" دیکھو ہم دونوں بالکل انجان تھے مگر اب اسی محبت اور اسی اعتماد کی وجہ سے ہی ایک ساتھ ہیں ناں؟" وہ جانے کیوں شرمندہ سا ہوا لیکن وہ اپنی لہر میں بولتی رہی۔

"پرانے زمانوں میں مرد کہیں باہر جاتے تھے تو اپنی بیوی کو لوہے کا لباس پہنا کر بھاری تالا لگا دیتے اور چابی ساتھ لے جاتے" وہ ہنسی تو جلترنگ سے بجنے لگے کلیم حیدر چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

’’یہ مرد کی محبت کی شدت ہی تو تھی‘‘ وہ بولا تو آمنہ پہلی بار بری طرح چونکی۔

’’کلیم یہ محبت نہیں تھی بے اختیاری تھی محبت محض جسم کا رشتہ نہیں ہے۔ مرد اگر عورت کا دل محبت سے باندھ نہ پائے تو پھر ممکن ہی نہیں وہ عورت کو کسی بھی کام سے روک سکے۔ آدم اور حوا کی اس کائنات میں رشتوں کے لیے محبت کا لاک ہی کافی ہے۔ جناب‘‘ آمنہ نے پیار سے اس کے بال بگاڑے تو وہ مسکرا دیا ’’اچھا چھوڑو بہت بھوک لگی ہے‘‘ کلیم نے بات ختم کی مگر بات یہیں ختم نہیں ہوئی وہ سائے کی طرح آمنہ کے ساتھ تھا۔ دونوں نے اس کے جانے کے لیے شاپنگ کی۔ آمنہ نے اپنے لیے رنگ برش اور کینوس خریدے۔ کلیم نے پاگلوں کی طرح گھر میں راشن بھر دیا حتیٰ کہ موبائل کارڈز بھی ڈھیروں کے حساب سے لے دیئے ’’میری جان کو ذرا سی بھی تکلیف نہ کرنا پڑے‘‘ وہ مسکرایا اور جاتے جاتے بولا ’’ہر لمحہ رابطے میں رہنا جب بات نہ کرسکو تو ایس ایم ایس کرتی رہنا مگر پلیز دیر نہ کرنا‘‘ وہ لاڈ سے بولا تو آمنہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر صبح و شام گزرنے لگے۔ وہ رات دیر تک بات کرتا جب آمنہ نیند سے بے حال ہو جاتی یا کبھی کبھی تو بات کرتے کرتے سو جاتی تو کلیم حیدر کو سکون ملتا۔ دن بھر چلتے پھرتے‘ کھاتے پیتے‘ پینٹنگ بناتے وہ مسلسل اس سے رابطے میں رہتی وہ تھی ہی سدا کی ست الست لوگوں سے تعلقات کا خاص شوق بھی نہ تھا اسے۔ امی ابا جان مل جاتے‘ بھائی اور بھابیاں بھی مل جاتے‘ اسے آنے پر مجبور کرتے رہتے مگر وہ ہنس کر ٹال جاتی۔

’’مجھے کلیم کے بغیر آنا اچھا نہیں لگتا بس وہ آ ئیں پھر آؤں گی۔‘‘

تنہائی اور یکسوئی ملی تو اس کے اندر کا آرٹسٹ نکھر کر سامنے آ گیا۔ بہت سی شاہکار تصویریں بنا کر وہ محبت سے دیکھتی رہتی۔

’’کلیم تم تو دیکھ کے حیران رہ جاؤ گے اپنی زوجہ محترمہ کے کارنامے‘‘

’’تم آؤ گے تو ایگزیبیشن کی تیاری کریں گے‘‘

’’کلیم من میں محبت کی روشنی ہو تو رنگ کیسے زندہ اور خوبصورت سانچوں میں ڈھلتے جاتے ہیں یقین کرو میں اداس شجر بناتی ہوں تو رنگ میرے اندر سے ہریالی لے کر سبز پتے بنا دیتے ہیں سرخ کونپلیں بن جاتی ہیں‘‘۔ وہ ہنستی چلی گئی۔

اور سامان ضرورت کم ہونے لگا اس نے سوچا وہ شہلا درانی سے بھی ملے گی باقی سب دوستوں سے بھی ملنا چاہ رہی تھی ’’معاشرے میں اپنی جگہ بنانے کیلئے مجھے اس محبت گاہ سے ذرا باہر تو جانا ہی پڑے گا‘‘ آمنہ نے انگلی پر اپنی لٹ گھماتے ہوئے سوچا اور چادر اوڑھ کر گیٹ عبور کر آئی‘ مہینوں بعد گھر سے باہر قدم رکھا تھا اسے لگا ساری دنیا اسے ہی دیکھ رہی تھی ’’شاید میرا وہم ہے‘‘ وہ مسکرائی اور پی سی او میں چلی آئی ’’ایک ٹیلی نار کارڈ اور وارد کی ایک سم بھی دیجئے گا‘‘ اسے لگا دکاندار نے ’’اوہو‘‘ کیا ہے بڑی معنی خیزی سے۔ مگر کیوں کیا ہو گیا۔ شاید لوگ سمجھ رہے ہیں اکیلی لڑکی بیچاری نئی نئی آئی ہے۔ اس علاقے میں‘‘ وہ سوچ کر مسکرائی اور پھر بہت سے ادھورے کام پورے کرکے آج گھر لوٹی تو اچھا لگ رہا تھا صوفے پر سر ٹکا دیا۔

’’ابھی تو اتنا سب کچھ کلیم کو بھی بتانا ہے۔ شہزادی ابھی سے تھکنے لگی ہے‘‘ وہ زیر لب بڑبڑائی اور آنکھیں موند کر ریلیکس ہونے لگی تبھی موبائل کی بپ بجی اور دھڑکنیں بھی مست ہونے لگیں۔

’’جی جناب‘ کیسے ہیں آپ‘‘ وہ چہکی۔

’’تم نے دو تین سمیں کیوں خریدیں اور لبرٹی لفٹ سے اترنے کے بعد کہاں گم رہیں‘‘ کلیم حیدر کا صبر جواب دے چکا تھا۔ وہ چلا کر بولا تو آمنہ ایکدم چونکی‘ سیدھی ہو بیٹھی اس کے موڈ کا اندازہ لگانے لگی۔

’’تم آ چکے ہو؟ مجھے سرپرائز دے رہے ہو؟‘‘ آمنہ کا پور پور بے تاب ہوا تو کلیم حیدر جیسے ہوش میں آ گیا۔ ’’بہت برے ہو پریم پجاری آتے ہی بیوی کے تعاقب میں لگ گئے اب کہاں ہو جلدی بولو‘‘ آمنہ چہک کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی‘ چلتی چلتی دروازے تک بھی آ گئی وہ چپ تھا ’’کلیم کہاں ہو؟‘‘ وہ چلائی تو وہ بمشکل لفظوں کو ترتیب دے کے بولا ’’ابھی کچھ دن اور لگیں گے‘‘ کلیم کی آواز کے ساتھ ہی آمنہ کے اندر بہت کچھ ٹوٹا‘ اعتماد‘ محبت‘ وفا اور پارسائی جیسے شاید اس نے کلیم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے پامال کیا تھا یا محبت کا جرم کرکے یا پھر محبوب سے شادی کرکے یا پھر محبت سے وفا کرکے یا پھر وفا کو عبادت مان کر یا پھر عبادت پر مغرور اور پرسکون رہ کر اسے چلاتے چلاتے یاد آنے لگیں۔ پی سی او والے کی نظریں‘ کالونی کے چوکیدار کی پوچھ گچھ‘ خود ہی ٹیکسی رکنے کی چرچراہٹ‘ ٹیکسی ڈرائیور کی نگاہیں اور واپسی پر ہر مرد و عورت کی نگاہیں تو دیواریں کہتیں ’’منحوس‘ لوگ باتیں اور کلیم کا محبت کی ’’ذمہ داری‘‘ سینکڑوں لوگوں کو سونپ جانا۔ سب کچھ روتی‘ چلاتی‘ نفرت کرتی آنکھیں بن جاتا اور آنکھیں اسے گھورتی رہتیں‘ محبت ختم ہونے سے زیادہ اعتماد مرنے کا غم تھا۔ ’’فاؤنٹین ہاؤس‘‘ کی دیواریں بھی اسے چین نہ لینے دیتیں وہ چلاتی رہتی۔

’’میں دیدۂ عبرت نگاہ ہوں‘‘ ’’مجھے دیکھو‘‘ ’’میں پارسا نہیں ہوں‘‘ ’’میں پارسا نہیں ہوں‘‘ وہ ہر کسی سے کہتی پھر انگلیوں پر پل گنتی جاتی ’’کلیم نے آنا ہے ناں‘‘ وہ سب ارد گرد والیوں کو بتاتی اور پھر رونے لگتی ’’وہ مر گیا‘ میری شدید محبت کے باوجود‘‘ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑتی اور پھر سب کو بتاتی ’’محبت بھی مر گئی ہے آ جاؤ رو لیں‘‘ سب اس کے گرد جمع ہو جاتیں تو وہ بین کرکے اپنے اپنے غم روتی جاتیں۔

☆☆☆☆

رانجھا رانجھا کردی نی میں...

"بڑی پہنچی والی ہے بی بی ماشاءاللہ جس کے سر پہ ہاتھ رکھ دے اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں"

"دس سال تک میں اولاد کی نعمت کو ترستی رہی تھی پھر کسی نے بی بی کا بتایا تو چلی آئی بہت روئی بہت ہی زیادہ فریاد کی تھی بی بی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور وہی لمحہ تھا شاید جب رب تعالیٰ نے میری سن لی، بی بی نے سرخ انگارہ آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور بس ہو گئی مجھ غریب کی، موٹے موٹے سونے کے کنگن پہنے وضع داری عورت کہہ رہی تھی پھر کوئی دوسری بولی "بی بی سر پہ ہاتھ رکھ دے تو مانو رحمت کا سایہ ہو گیا، بخت ہی بدل گئے"۔

"یہ تو بنجر ویران علاقہ تھا بی بی نے اس علاقے میں ڈیرے لگائے تو ذرہ ذرہ سونے کا ہو گیا، زمین میں اناج اگنے لگا، آبادی بڑھتی سے بڑھتی گئی"۔

"اللہ لوک ہے بالکل بی بی جان نہ روپے کا لوبھ نہ کپڑے جوتی کا ہوش" فاطمہ اماں نے آنکھ بھر کر کہا 30 سالوں سے یہاں تھی بی بی کی غلام مجاور۔

"کچھ خاص نیک روحیں ہوتی ہیں جن کے ہاتھ میں اللہ پاک نے مسیحائی رکھی ہوئی ہے بس وہ دوسروں کے درد چنتے ہیں اور آسودہ رہتے ہیں، کوئی پڑھی لکھی مہذب عورت تبصرہ کر رہی تھی اور بی بی کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں کبھی کبھار یہ ساون کی جھڑی لگ پڑتی تو وہ لمبا سا گھونگھٹ کھینچ لیتی جس کا مطلب تھا سب بی بی کو تنہا چھوڑ دیں سب جانتی تھیں سر جھکائے نکل جاتیں تو بی بی گھٹنوں ہچکیوں سے رونے چلی جاتی۔ من میں آسودگی کب تھی بس اضطراب تھا جسے وہ تھپک تھپک کر سلاتی اور یہ اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے والی عورتیں زخموں سے کھرنڈ اتار دیتیں وہ کیسی مسیحا تھی ہر کسی کے درد کی دوا ہو جاتی اس کی نگاہ اٹھانے سے معجزے ہوا کرتے ہیں تو وہ اس معصوم زیبی کو کیوں نہ بچا سکی اور وہ زیبی تو سراسر خود فریبی میں مبتلا تھی اپنے حسن حسب نسب اور چار بھائیوں سے ملنے والے ڈھیروں پیار نے اسے عجیب سحر بخشا تھا وہ کوئی اپسرا لگتی موتی سی صورت لاڈ سے بولتی تو مقابل کا دل بے مول اسیر ہو جاتا اتنا بجنے سنورنے کا شوق تھا کہ اس نے سات نسلوں کے پڑے زیورات نکال نکال کر پہنے، تڑوائے، نئے بنوائے، نجانے کتنے ہی کم کیے مگر مجال ہے کوئی ذرا سا ڈانٹ بھی دے قیمتی چیزیں خاک میں رل جاتیں اتنا اسی کے لاڈ ہوتے "تو پریشان نہ ہو میں اور لے دوں گا" ایک بھائی کہتا تو دوسرا اس سے آگے تیسرا گاڑی نکال کر اسے لے جاتا اور وہ ڈھیروں الم غلم شاپنگ کر لاتی کیا کھویا تھا یہ یاد ہی نہ رہتا۔ بھابھیاں ایک سے بڑھ کر ایک ناز اٹھاتیں چھوٹے بھیا کی شادی کے ہنگامے گھر میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ روشنیاں ہی روشنیاں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ روز کپڑے خریدے جاتے اور زیورات ایک سے ایک نیا ڈیزائن لئے جوہری چلا آتا۔ گھنٹوں درزی تو بیٹھا رہتا۔ جب بارات لے کر "رحمان ولاز" سے نکلے تو نجانے کتنی آنکھیں رشک سے دنگ رہ گئیں۔

رسمیں ہو رہی تھیں، دودھ پلائی، جوتا چرائی، پھر کانوں کی بولیاں جو چھڑیں تو دیر تک لڑکے لڑکیوں کا مقابلہ چلا۔ وہیں تو تھا وہ جو بڑھ بڑھ کر شرارتیں کر رہا تھا۔ زیبی کو لگا سارے ماحول میں ساری رونقوں میں کوئی خاص روپہلا رنگ بھی اتر آیا ہو جانے اس کی آنکھیں بولتی تھیں یا صرف مجھے لگیں وہ گھر آ کر بہت بے چین تھی تبھی کہ بہنیں اور سہیلیاں تو جیسے اس اقرار کے انتظار میں تھیں۔ چھیڑ چھیڑ کے ناک میں دم کر دیا مگر کچھ خاص نہ بدلا۔ بس چھوٹی بھابھی آ گئیں رونقیں بھی چلتی رہیں موسم بدلتے رہے مگر سناٹا کہیں بڑھ گیا گرمیوں کی دوپہریں زیبی کا دل جلانے لگیں کچھ سوجھتا ہی نہ تھا کہ یہ تقدیر کا کیسا مذاق تھا سب لاڈ پیار کرتے مگر وہ بجھتی جا رہی تھی۔ شادی کی تصویریں آئیں تو دنگ رہ گئی اس کی تصویر بھی تھی زیبی نے کانپتے ہاتھوں سے البم سے چرائی اور ہانپتی سانسوں کے ساتھ کمرے میں چلی آئی۔

دیر تک نظروں میں اس کی وجاہتیں اتارتی رہی "چھوٹی بھابھی سے پوچھوں کون ہے یہ" وہ دھیرے سے مسکائی اور تصویر کو ساتھ لگائے کمرے میں جھومتی رہی تھی فون کی بیل بجی تو وہ قریب چلی آئی تصویر کو تکیے کے نیچے رکھ کر ریسیور اٹھایا "ہیلو"۔

"ہیلو آپ زیب بول رہی ہو ناں" وہ اتنی بے تابی سے بولا کہ زیبی کی آنکھیں برس پڑیں بمشکل بولی "جی"۔

"میں احسن ملک، ہم آپ کے بھائی اسد چشتی صاحب کی شادی میں ملے تھے، میں آپ کی بھابھی کے بڑے بھائی فراز کا بیسٹ فرینڈ ہوں"

"میں جانتی ہوں تمہیں میرا روم روم کانپ رہا ہے تمہاری آواز کے جادو سے" زیبی نے کہنا چاہا مگر لاج نے زبان بندی کر دی۔

"آپ زیب ہو ناں، کچھ تو بولو، میں نے بہت مشکل سے آپ کا نمبر لیا ایک لمحہ ایک پل بھی فراموش نہیں کر سکا میں اس موم کی صورت کو کاجل سے بھری آنکھیں میرون لہنگا اور لمبے سنہری بال یقین کرو میرے دل کو گرہیں لگا گئے ہیں۔"

زیبی نے بے اختیار اپنے بالوں کو چھوا اور پھر میٹھی سی مسکراہٹ لبوں سے چپک کر رہ گئی اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ سانسیں بھی تو ہموار کرنا تھیں۔ "اوہ گاڈ، تھینکس تھینکس گاڈ" وہ گول گول چکروں میں گھومتی جا رہی تھی۔ کچھ دنوں بعد پھر اس کا فون آ گیا وہ ہی بولتا رہا اپنے دل کی داستانیں سناتا چلا جاتا وہ مسکراتی رہتی اور ریسیور رکھ دیتی "ایک لمحے کی اتنی یادیں بنالیں وہ تو بالکل پاگل ہے۔ زیبی نے سر جھٹکا محبتوں کو اظہار کے خزانے کیا ملے من اندر آسودگی اتر آئی وہ پہلے کی طرح مہکتی پھرتی اور جب بی اے کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی تو احسن ملک کی محبتوں کو پذیرائی دے ڈالی"۔

"احسن میں بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہوں شاید عشق، دیوانگی سوچا ہی نہیں میں نے کہ کوئی ہمیں جدا بھی کر سکتا ہے ویسے میرے گھر والے تو مجھ پہ جان دیتے ہیں انکار کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔" "اور اگر آ گئی تو" احسن کا لہجہ لرزا تو زیبی کھلکھلا کر ہنسنے لگی "نہیں احسن میرے بھائی میری کوئی بات نہیں ٹالتے ویسے بھی گھر میں میری شادی کا ذکر چل رہا ہے جب میں تمہارا نام لوں گی تو ساری مشکل ہی آسان ہو جائے گی" وہ پورے یقین سے بولی مگر احسن مطمئن نہیں تھا فراز نے اسے بتایا تھا اپنے خاندان کے متعلق وہ لوگ رشتوں کے معاملے میں سب سے زیادہ اہمیت ذات پات کو دیتے "اور اگر ایسا ہی ہے تو میری محبتیں تو راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گی ایک پل میں وہ مجھ جیسے شہزادے کو اچھوت بنا ڈالیں گے اور زیب کو تو مار ہی ڈالیں گے" اس کی انگلیوں میں سگریٹ کانپا اور راکھ کے ذرے گود میں آ گرے۔

زیبی نے اپنے آنچل میں احسن ملک کی تصویر چھپالی اور بھابھیوں کے پاس چلی آئی بڑی بھابھی کو تیل کی بوتل پکڑائی تو وہ مسکرا کر سیدھی ہو بیٹھیں اور لگانے لگیں وہ چاروں مل کے کوئی مووی دیکھ رہی تھیں۔ زیب کو تو بس اپنے دل کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ جو بے تحاشا بدتمیزی پہ اترا ہوا تھا اس نے دھیرے سے آنچل سے تصویر نکالی اور چھوٹی بھابھی کی طرف بڑھا دی "یہ میں نے چرائی تھی" وہ معصومیت سے بولی زارا بھابی نے مسکراتے ہوئے پکڑی اور پھر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ عجیب دہشت سے زیبی کو گھور رہی تھیں۔ "سوری بھابھی، مگر مجبوری تھی" وہ منمنائی تو بڑی بھابھی نے آگے ہو کے دیکھا پھر تصویر پہ نظر پڑی تو زیبی کو لگا ان کی انگلیاں اس کے سر پہ چلتی ٹھٹھک گئیں وہ حیران اور معصوم نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ تصویر چھوٹی سے مجھلی اور پھر زینت بھابھی کی طرف بڑھائی جا رہی تھی سب کے رنگ متغیر ہو گئے۔ بڑی بھابھی نے اس کا بازو کھینچ کر رخ اپنی طرف کیا" کیوں چرائی تھیں" ان کی آواز متوقع اندیشوں سے کانپ رہی تھی۔

"بھابھی، ایک تصویر ہی تو ہے" وہ مسکرائی مگر کمرے میں غیر معمولی سناٹا چھا گیا، شازیہ بھابھی نے ٹی وی بند کر دیا کمرے کی کنڈی بھی چڑھا دی چاروں اس کے ارد گرد آ بیٹھیں "کیا ہو گیا ہے لیڈیز ایک تصویر ہی تو ہے، اتنے خوفناک ایکسپریشن دے رہی ہیں جیسے اس کی سزا کم از کم پھانسی ہے"

"تم بتاؤ کیوں چرائی تھی، مذاق کی بات نہیں ہے سزا پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔" زارا بھابھی بولیں اور پھر دوسروں کی طرف منہ کر کے بتانے لگیں۔

"تو" وہ چیخ پڑی "محبت کرتی ہوں میں اس سے"۔ "خدا خیر کرے، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں پگلی چپ کر بھائی مار ڈالیں گے تجھے" بڑی بھابھی بولی سب سکتے میں تھیں زارا نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ "زیبی تجھے ان کے مزاج کا تو پتہ ہے ناں خود سے بڑھ کر تو کوئی دکھتا ہی نہیں انہیں ہر فقرے میں بولتے ہیں وہ فلاں نیچ ذات فلاں کی کمین زیبی تیرے ساتھ ساتھ مجھے اور احسن کو بھی مار ڈالیں گے۔

"بھابھی پلیز، آپ تو زیادہ ہی خوف وہراس پھیلا رہی ہیں، میرے بھائی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور پھر دادو بھی آنے والے ہیں وہ میری خوشی کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں"۔

وہ اٹھی اور لگائی ہوئی کنڈی کھول کر کمرے سے باہر آ گئیں سیدھی لالہ جی کے کمرے میں چلی آئی اور لاڈ سے ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی "او گڑیا یہاں نہ بیٹھ ادھر آ چندا میرے پاس" وہ کتاب بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئے مگر وہ بیٹھی رہی۔ "مجھے یہیں بیٹھنے دیں اور بتائیں کیا آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں"۔

"او جگر ہے تو ہمارا، دل کا ٹکڑا بھلیے یہ کیا سوال تھا" لالہ جی کے بولنے سے پہلے ہی اسد بھائی اندر آتے ہوئے بولے تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ ہمارے لئے جی سکتے ہیں"

"ہاں بالکل نہیں" لالہ جی نے اٹھ کر اسے ساتھ لگایا تو وہ اور بھی خوش ہو کر بولی "آپ ہماری کوئی خواہش ٹال سکتے ہیں"

"او ناں بابا بالکل نہیں، چاہے تو کسی کی جان ہی مانگ لے"

"ہائے میرے پیارے بھیا" وہ اسد بھائی کی طرف آئی اور زارا بھابھی کے ہاتھ سے کھینچ کے لائی تصویر ان کے آگے کر دی۔

"یہ احسن ملک، آرمی آفیسر آپکی اکلوتی، لاڈلی بہن کی محبت، زندگی اور شاید موت بھی" وہ جو نہی سنجیدہ ہوئی کمرے میں موت جیسی خاموشی تھی لالہ جی گرنے والے انداز میں صوفے پر ڈھے گئے اور اسد بھائی کی آنکھیں یک لخت رنگ بدلنے لگیں "جاؤ یہاں سے" وہ دھاڑے تو جیسے زیبی کے قدموں تلے کی زمین کانپ گئی وہ بھاگتی ہوئی نکل گئی اور زارا زار و قطار رونے لگی پھر بھابھیوں کو بلایا گیا۔ "رحمان ولاز" میں گویا بھونچال آ گیا ایک سے بڑھ کر ایک چلا رہا تھا، جوش سے پاگل ہو رہا تھا۔ چھوٹے علی احمد چشتی نے تو بیوی کو تھپڑ دے مارا "تم لوگ کہاں مر گئی تھیں جو یہ سارا ڈرامہ ہوتا رہا"۔

احسن کو ڈیرے پہ بلا کر خوب ڈرایا دھمکایا گیا۔ اس کا گھر بار جلا ڈالنے تک کی دھمکی دی گئی۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا اور جاتے جاتے بولا "آپ کوشش تو کریں لالہ جی شاید کوئی درمیانی راستہ نکل آئے اور دو زندگیاں برباد ہونے سے بچ جائیں ورنہ جو چاہے کریں مار ڈالیں مجھے جلا کر ختم کر دیں میرا خاندان اور یاد رکھیں خوش تو آپ بھی نہیں رہ سکتے۔ ہماری محبت روحوں کا رشتہ ہے آپ کی دھمکیوں سے ختم نہ ہو سکے گی" وہ چلا گیا اور زیبی کے بھائی جلتے بھنلاتے لوٹ آئے، وہ حیران تھی بالکل حیرت زدہ کہ یہ اس کے پیارے بھائی ہیں۔

جنہیں اس سے محبت کا بہت دعویٰ تھا اور اب دنوں سے پتہ ہی نہیں تھا کہ میں زندہ ہوں یا مر گئی اسکی آنکھوں کے دریا بھی سیلابوں کی زد میں تھے۔

آنسو رکتے ہی نہ تھے بالکل نحیف و نزار ہو گئی تبھی دادو چلے آئے۔ وہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔ "آخری کوشش کرنے میں کیا حرج ہے، شاید دادو میرا بھرم رکھ لیں" وہ چلی آئی دامن پھیلانے مگر اندر کا تو منظر ہی بدل گیا تھا۔ دادو بھائیوں پہ چلا رہے تھے اور پھر بھابھیوں کی طرف مڑے جاؤ تم لوگ اور انتظامات کرو، ہم ابھی احسن کی طرف پیغام بھجواتے ہیں کسی نے جرات کیسے کی میری زیبی کا دل دکھانے کی سات نسلوں میں اکلوتی بیٹی ہے میری زیبی، جو مانگے اسے ملنا چاہیے ہیں۔ بہوؤں گھر میں خوشیاں اور روشنیاں کرو کیسی سوگواریت پھیلائی ہے۔" وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھیں دروازے میں بت بنی زیبی کو بڑی بھابھی نے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا اور ڈرائنگ روم میں آ کر سب بیٹھ گئیں زیبی اب بھی حیران تھی وہ سب خوفزدہ تھیں خوش نہیں۔

"زیبی اس فیصلے کے پیچھے کچھ اور ہے میرا دل دہل رہا ہے۔" بڑی بھابھی نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا مگر وہ دور رہی۔

"دادو بہت نائس ہیں وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں آپ لوگ وہم نہ کریں پلیز" زیبی نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے مگر لفظ کانپ رہے تھے۔ بدن میں لہو کی روانی مرتعش سی تھی لیکن کچھ بھی برا نہ ہوا۔ رونقیں "رحمان ولا" میں پوری سج دھج سے اتر آئیں۔ شادی کی تاریخ طے کر دی گئی احسن کے گھر والوں کو بے تحاشہ عزت دی گئی۔ احسن سے اپنے رویوں کی معافی مانگی گئی گھر میں ڈھولک بج گئی اور پھر احسن روز اپنی بے تابیوں کا امرت اس کی سماعتوں میں گھولتا زیبی تو تقدیر کی اس کایا پلٹ پہ بہت خوش تھی بالکل اپنے ارد گرد سے بے نیاز تھی آنیوالے وقت کی سحر طرازیوں میں گم اسکی ہتھیلیوں پہ مہندی ایسی رچی کہ سکھیاں رشک کرنے لگیں۔ بھابھیاں چوم چوم کر دعائیں دیتیں تو وہ شکر گزار نظروں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگتی۔

"بارات چل پڑی ہے وہاں سے ان لوگوں نے ادھر ہوٹل میں stay کیا ہے اور دلہے راجہ کا اصرار ہے کہ وہ ہوٹل سے ہمارے گھر تک گھوڑے پہ آئیں گے" لالہ جی فون بند کر کے مڑے اور سب کو بتا رہے تھے۔ قہقہے فضا میں بکھرے شرم و حیا نے زیبی کے گالوں کو گلال کر دیا۔ چھب ہی نرالی تھی اس کی آج زیوروں کے بوجھ سے سیدھی ہی نہ ہو پا رہی تھی۔

سکھیوں نے آئینہ دکھایا تو آنکھیں اپنا روپ دیکھ کے ششدر رہ گئیں۔ محبت نے کیسے اندر باہر روشنی کر دی اور محبت میں فتح کا احساس محبوب کو پالینے کا نشہ اس کے اعصاب کو مست کر رہا تھا تبھی کوئی بھاگتا ہوا آیا اور سارا سحر ٹوٹ گیا۔

"دلہا کو گولی لگی ہے، بہت سے باراتی بھی زخمی ہوئے ہیں، کہیں سے گولیوں کی بوچھاڑ ہی ہو گئی۔" لالہ جی اور دادو نے چھاتی پیٹ ڈالی

"ہائے ہماری لاڈلی کی خوشیاں"

"ہائے ہماری بچی کا سہاگ"

اور زینی تو پل بھر میں پتھر ہو گئی احسن کا وجود سرد پڑنے سے بھی پہلے مر گئی مگر یہ موت زیادہ اذیت ناک تھی اس کی سماعتیں بحال تھیں سب کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی شادی والا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ بھابھیاں اس سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھیں۔

"زینی تیری خوشیاں خالص نہیں تھیں ہمیں تو پہلے ہی دھڑکا تھا ان بہروپیوں پہ ذرا بھی یقین نہیں تھا میری بچی تو بھروسے میں ماری گئی" بڑی بھابھی اسے ساتھ لگائے چلا رہی تھیں کوئی زیور اتار رہا تھا کوئی چوڑیاں توڑنے میں مصروف مگر وہ.......... پھر اس کے پتھر وجود نے سنا دادو کہہ رہے تھے۔ "میرے احسن کی قبر یہیں بنوانا ہمارے گاؤں میں۔"

پھر پتھر وجود میں حرکت ہی نہ ہوئی وہ ویسی ہی ساکت تھی نجانے کتنے دن بیت گئے، کتنے مہینے، رحمان ولا میں پھر رونقیں جاگ اٹھیں۔ پھر قہقہے پھر خوشیاں اس کے ساکت وجود میں تو حرکت تب ہوئی جب کچھ ہاتھ اس کی طرف بڑھنے لگے شاید اسے سجانے کو وہ انہیں ہٹا کر اٹھی اپنی سفید چادر میں پورا وجود لپیٹا اور گھسٹ گھسٹ کر چلتی باہر آ گئی سب انتظامات میں مصروف تھے وہ چلتی گئی قدم کسی شناسا راستے کی طرف جا رہے تھے وہ گھسٹتی گھسٹتی چلی آئی اور قبر پر ڈھے گئی قبر کو بازوؤں کے حصار میں لے کر جو وہ روئی تو ساری کائنات کانپ اٹھی وہ خاک اٹھا اٹھا کر اپنے سر میں ڈال رہی تھی سب آ گئے اسے کھینچتے رہے اٹھاتے رہے۔ دادو بیچ کر واسطے دیتے رہے مگر وہ ہلی نہیں قبر کے گرد بازو لپیٹے بس روتی رہی سب آئے بہت ہار آئے پھر فاطمہ کو اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

وہ چادر کا گھونگھٹ نکالے بیٹھی رہتی، قرآن پاک پڑھتی یا پھر چیخ چیخ کر روتی رہتی۔ چند دنوں میں اسے حجرہ بنا دیا گیا۔ لالہ جی ساری فیملی کو لے کر گاؤں چھوڑ گئے اور زینی کا نام بھی اس کے وجود کی طرح مٹ گیا۔ اس کے اطراف میں عقیدت مندوں کا رش بڑھتا گیا نجانے کیوں سب کو یقین تھا "بی بی" کی دعا معجزوں کا موجب ہے۔

"نجانے کیوں کوئی معجزہ میری زندگی میں رونما نہ ہو سکا" وہ بڑبڑائی اور پھر زور زور سے پڑھنے لگی۔

قلت حیلتی انت و سیلتی ادرکنی یا رسول اللہ

وہ زور زور سے پڑھتی جاتی اور آسودگی من میں اترتی جاتی۔

☆☆☆☆